ماھنامہ

حکمت بالغہ

جون 2007

مدیر: انجینئر مختار حسین فاروقی

قرآن اکیڈمی

جھنگ پاکستان

فون اور فیکس: 0092-47-7628361

ای میل: hikmatbaalgha@yahoo.com

ویب سائٹ www.hamditabligh.net پر حکمت بالغہ کے تمام شمارے دستیاب ہیں

سورۃ الرحمٰن

آیت نمبر 26 تا 45

کُلُّ مَنۡ عَلَیۡہَا فَانٍo

جو (مخلوق) زمین پر سب کو فنا ہونا ہے

وَّیَبۡقٰی وَجۡہُ رَبِّکَ ذُوالۡجَلٰلِ وَالۡاِکۡرَامِo

اور تمہارے پروردگار ہی کی ذات (بابرکت) جو صاحب جلال وعظمت ہے باقی رہی گی

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِo

تو (اے گروہ جن وانس) تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے

یَسۡـَٔلُہٗ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ

آسمان اور زمین میں جتنے لوگ ہیں سب اسی سے مانگتے ہیں

کُلَّ یَوۡمٍ ہُوَ فِیۡ شَاۡنٍo

وہ ہر روز اپنے کام میں مصروف رہتا ہے

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِo

تو (اے گروہ جن وانس) تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے

سَنَفۡرُغُ لَکُمۡ اَیُّہَ الثَّقَلٰنِo

اے دونوں جماعتو! ہم عنقریب تمہاری طرف متوجہ ہوتے ہیں

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِo

تو (اے گروہ جن وانس) تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے

یٰمَعۡشَرَ الۡجِنِّ وَالۡاِنۡسِ اِنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ

اے گروہ جن وانس اگر تمہیں قدرت ہو

اَنْ تَنْفُذُوْ مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

کہ آسمان اور زمین کے کناروں سے نکل جاؤ

فَانْفُذُوْا لَاتَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍo

تو نکل جاؤ اور زور کے سوا تو تم نکل سکتے ہی کے نہیں

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَاتُکَذِّبٰنِo

تو (اے گروہ جن وانس) تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے

یُرْسَلُ عَلَیْکُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍوَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِo

تم پر آگ کے شعلے اور دھواں چھوڑ دیا جائے گا تو پھر تم مقابلہ نہ کرسکو گے

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَاتُکَذِّبٰنِo

تو (اے گروہ جن وانس) تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے

فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَکَانَتْ وَرْدَةً کَالدِّھَانِo

پھر جب آسمان پھٹ کے تیل کی تلچھٹ کی طرح گلابی ہو جائے گا (تو وہ کیسا ہولناک دن ہو گا)

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَاتُکَذِّبٰنِo

تو (اے گروہ جن وانس) تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے

فَیَوْمَئِذٍ لَّا یُسْئَلُ عَنْ ذَنْبِہٖ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّo

اس روز نہ تو کسی انسان سے اسکے گناہوں کے بارے میں

پرسش کی جائے گی اور نہ کسی جن سے

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَاتُکَذِّبٰنِo

تو (اے گروہ جن وانس) تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے

یُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِیْمٰھُمْ فَیُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِیْ وَ الْاَقْدَامِo

گناہگار اپنے چہرے ہی سے پہچان لئے جائیں گے تو پیشانی کے بالوں

اور پاؤں سے پکڑ لئے جائیں گے

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ٥

تو (اے گروہ جن وانس) تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے

هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِیْ یُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ٥

یہی وہ جہنم ہے جسے گنہگار لوگ جھٹلاتے تھے

یَطُوْفُوْنَ بَیْنَهَا وَبَیْنَ حَمِیْمٍ اٰنٍ ٥

وہ دوزخ اور کھولتے ہوئے گرم پانی کے درمیان گھومتے پھرینگے

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ٥

تو (اے گروہ جن وانس) تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے

حرف آرزو

قرآن مجید اللہ تعالی کا کلام ہے اور عربی محاورے میں!

كلام الملوك ملوك الكلام

کے مطابق منفرد اور یکتا شان رکھتا ہے، علامہ اقبال نے قرآن مجید کی شان میں بجاطور پر کہا تھا:

؎ فاش گویم آنچہ در دل مضمر است
ایں کتابے نیست چیزے دیگر است

ترجمہ: میں واضح طور پر تمہیں بتائے دیتا ہوں جو کچھ میرے دل میں ہے کہ یہ قرآن مجید صرف ایک کتاب نہیں بلکہ ایک مختلف چیز ہے۔

جیسے اللہ تعالی کی بہت سی شانیں ہیں اور ہر روز نئی شان سامنے آتی ہے اسی طرح بعینہٖ کلام اللہ کثیر الاطراف کلام ہے اور اس کی بھی نئی نئی شانیں ہیں وقت کے ساتھ ساتھ سامنے آتی ہیں۔ ہر پچاس ساٹھ سال بعد حالات کی تبدیلی اور ظروف واحوال کے بدلنے سے جو نیا منظر نامہ بنتا ہے۔ قرآن مجید کی بعض شانیں صرف اسی وقت سمجھ میں آتی ہیں پہلے انہیں آیات کے بار ہا پڑھنے کے باجود وہ بات سامنے آ ہی نہیں سکتی جو حالات کے تقاضے کے طور پر سامنے آتی ہے۔

اسی بات کی طرف جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا اس روایت میں جو ترمذی شریف میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

لاتنقضى عجائبه ولا يخلق عن كثرة الردّ

ترجمہ: ”اسکے عجائب ختم نہیں ہونگے اور نہ یہ زیادہ دہرانے سے پرانا ہوگا“

اور مزید فرمایا!

ولا يشبع منه العلماء

ترجمہ:''اور نہ علماء اس سے سیر ہوں گے''

قرآن مجید کو سمجھنے کے لئے بھی اسی طرح مختلف زاویوں اور راستوں سے سمجھنے کی ضرورت ہے اور''ہر جوئندہ یابندہ''اسلام اور قرآن کی تاریخ گذشتہ چودہ صدیوں پر محیط ہے۔سب سے بہترین زمانہ تو بلاشک وشبہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ہے اس کے بعد اس سے ملحق زمانہ خلافت راشدہ کا زمانہ ہے اور اس کے بعد دور صحابہ رضی اللہ عنہم ہے یہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم خود رسالت مآب ﷺ کے تربیت یافتہ تھے اور مہدی اور ہادی تھے۔تاریخ انسانی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسی جماعت کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔

دور صحابہ کے بعد دور تابعین رحمۃ اللہ علیہم ہے یعنی وہ اصحاب گرامی قدر جنہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا زمانہ پایا اور ان سے دین سیکھا اور اپنی زندگیوں کو منور کیا یہ دور بھی اس لحاظ سے منفرد ہے کہ جیسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کا دروازہ بند ہو گیا اور آپ کے وصال پر وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔لہٰذا حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا وجود بہت اہمیت رکھتا ہے کہ یہ وہ خوش نصیب لوگ تھے جنہوں نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھا ان کو دیکھا ان کی محفلوں اور تربیت سے فیض پایا اور اس کے ساتھ وقت گزارا۔

اسی طرح وہ حضرات جنہوں نے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فیض پایا اور ان کی صحبتوں سے فیض یاب ہوئے وہ بھی منفرد اور بہت قیمتی ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسی یگانہ اور نادر ہستیوں کے تربیت یافتہ تھے نہ اب کوئی صحابی رضی اللہ عنہ ہوگا اور نہ کوئی تابعی رحمۃ اللہ علیہ۔

دور تابعین کے بعد درجہ بدرجہ بعد کے ادوار ہیں جس میں ائمہ دین اور سلف صالحین اور مجددین نے اسلام کی سربلندی کے لئے اپنی زندگیاں لگا دی تھیں۔

ہمارے ہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے خلفائے راشدین اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ تو کثرت سے ہوتا ہے یا دور حاضر کے علماء کا ذکر خیر ہوتا ہے جو ہمارے مشاہدے میں بھی آتا ہے۔درمیانی دور جو تقریباً تیرہ صدیوں پر مشتمل ہے اس عرصے کے رجال دین اور علماء

واتقیاء کا تذکرہ عوامی سطح پر بہت کم ہے۔حالانکہ یہی وہ خوش قسمت لوگ تھے جنہوں نے اپنے اپنے دور میں حالات کے مطابق دین پر عمل کیا اور قرآن وسنت کی رہنمائی میں دین کی خدمت کا حق ادا کیا۔انہیں میں بہت سے مجددین کی صف میں شامل ہیں بہت سے خوش نصیب وہ ہیں جو کسی خاص میدان میں نمایاں تھے اور بہت سے ایسے بھی ہیں جو صاحب قلم ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب سیف بھی تھے ان خادمان دین مبین میں بعض بادشاہ اور سلطان ہیں جو ذاتی نیکی اوراجتماعی دینی مصالح کی حفاظت کے حوالے سے بہت بلند مقام پر فائز ہیں۔

تاہم یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ ہمارا آج کا نوجوان ان رجال دین اور سلف صالحین کے کارناموں سے کماحقہ آگاہ نہیں ہے۔ہمارے سکولوں کالجوں میں بھی تاریخ اسلامی کونکال دیا گیا ہے اور جو حصہ ہے اس میں صحیح تصویر دین پھیلانے کے بجائے اسلام کا مسخ شدہ تصور عام کیا جارہا ہے نتیجتاً مسلمان نوجوان آج اپنے اسلاف سے بے بہرہ اور بیزار ہے اوراچھے بھلے تعلیم یافتہ حضرات بھی درمیانی دور کے اکابر کا تو کیا تذکرہ جانیں گے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بھی حضرات خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کے حالات از قسم تاریخ پیدائش، تاریخ وفات، دورحکومت، کارنامے، اہم واقعات اوران کی شخصیت کے دلآویز پہلوؤں ہی سے ناواقف ہیں تو ان پرعمل کی نوبت کیسے آجائے گی۔

قرآن اکیڈمی جھنگ کو اللہ تعالی نے یہ توفیق بخشی اور اس پر اس رب ذوالجلال والاکرام کا بہت بہت شکر ہے کہ گذشتہ سال مئی 2006ء سے ماہانہ سیمینار میں دورصحابہ کرام کے بعداور پاکستان بننے سے پہلے وفات پاجانے والے اکابرامت میں 20 بڑی قدآور شخصیات کا سلسلہ شروع کیا ہے۔یہی وہ شخصیات ہیں جنہوں نے اپنے اپنے عہد میں قرآن مجید کو پڑھا، سمجھا اور اپنے ظروف واحوال کے مطابق اس سے رہنمائی حاصل کر کے اس کے مطابق زندگیاں لگادیں۔ پہلی شخصیت حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالی علیہ تھے جو عمر ثانی کہلائے الحمدللہ یہ سلسلہ کامیابی سے جاری ہے اوران شاءاللہ رمضان المبارک کے مہینے کے وقفے کے علاوہ تسلسل سے جاری رہ کرفروری 2008ء میں ختم ہوگا۔

اس سلسلہ تقاریر کو احباب اور اہل علم نے بے حد سراہا ہے اور اسی کا اثر ہے کہ اس میں حاضری دن بدن بڑھ رہی ہے اور اہل علم کی دلچسپی میں اضافہ ہو رہا ہے۔

پہلے سیمینار کو ادارہ نے ویڈیو ریکارڈنگ کے ذریعے محفوظ کرنے کا اہتمام بھی کیا تھا مگر بوجوہ وہ مفید نہ ہونے کی وجہ سے جاری نہ رہ سکا لیکن روز اول سے خواہش تھی کہ یہ سلسلہ تقاریر محفوظ ہو سکے اور وہ حضرات جو ان سیمیناروں میں تشریف نہیں لا سکے وہ بھی اس سے مستفیض ہو سکیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف وکرم سے یہ حالات پیدا فرمائے ہیں کہ حکمت بالغہ کے صفحات میں ان شخصیات پر اظہار خیال اور ان کے کارناموں کے تذکار کو محفوظ کرنے کا فیصلہ کرلیا گیا ہے اور اب اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ان شخصیات کے حالات واقعات پر ہر ماہ حکمت بالغہ کے کچھ صفحات مختص ہوں گے تا آنکہ یہ سلسلہ تکمیل پذیر ہو جائے وماتوفیقی الا باللہ۔

قارئین کرام ان بیس شخصیات کے بارے میں جاننے کے لئے یقیناً مضطرب ہوں گے تو لیجئے اب اس ہینڈ بل اور پمفلٹ کا ابتدائیہ اور تمہیدی کلمات اور ان گرامی قدر بیس قد آور اسلامی شخصیات کے اسمائے گرامی بھی شائع کئے جا رہے ہیں۔ تاکہ قارئین حکمت بالغہ بھی ان علمی خدمات میں ذہناً اور قلباً شریک رہیں اور اپنی تحریروں کے ذریعے ہماری رہنمائی اور معاونت فرمائیں اور دعا گو رہیں تاکہ اس خدمت دین کا جو موقع میسر آیا ہے وہ بلا روک ٹوک جاری رہے اور ہم سب کے لئے توشہ آخرت بن جائے۔

اگلے صفحات پر سیمیناروں کے سلسلہ میں تعارفی ہینڈ بل کی کاپی شائع کی جا رہی ہے اور پہلے سیمینار کا اشتہار بھی من وعن دیا جا رہا ہے تاکہ قارئین بھی ان کیف آور لمحات میں اپنے آپ کو شریک محسوس کر سکیں۔

اسلامی تعلیم
پاکستان کی وحدت اور سالمیت کی
ضروری شرط

(ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم)

یہ مضمون آج سے تقریباً چالیس سال پرانا ھے ادارہ اس کی افادیت کے پیش نظر ایک دفعہ اور چھاپ رہاھے۔ قارئین مضمون کو پڑھ کر محسوس فرمائیں گے کہ اسلامی نظام تعلیم کے حوالے سے صورت حال وھی ھے جو آج سے چالیس سال قبل تھی۔ دعاھی کی جاسکتی ھے کہ اللہ تعالیٰ اس بھٹکی ھوئی قوم کو منزل سے ھمکنار کر دے

آمین مفتی عطاء الرحمٰن

(مضمون شائع شدہ رسالہ ''اسلامی تعلیم'' ماہ جنوری،فروری 1972ء)

ہمارا ملک اس وقت جن نازک حالات سے دوچار ہے وہ اس بات کے مقتضی ہیں کہ فکر و عمل کے لئے ایک واضح جہت اختیار کی جائے اس واضح جہت کا تعین ہم صرف قوانین خداوندی کی روشنی میں ہی کر سکتے ہیں اور اس مقصد کیلئے ملک کے اندر اسلامی تعلیم کا احیاء ناگزیر ہے۔ زیر نظر مضمون ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم کی کاوش فکر کا نتیجہ ہے۔ امید ہے کہ قارئین کرام اس سے کماحقہ استفادہ کریں گے۔ (ایڈیٹر)

ملک کے اندر اس وقت افتراق و انتشار کی جو کیفیت موجود ہے اس کا باعث یہ ہے کہ

پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد فوراً ہی یہاں ایسے حالات پیدا ہوئے اور اب تک قائم رہے ہیں جن کی وجہ سے ہم متواتر اسلام سے دور ہوتے رہے ہیں اور ملک کے اندر بتدریج ایک نظریاتی خلا پیدا ہوتا رہا ہے جو ساتھ ہی ساتھ لسانی نیشنلزم، صوبائی نیشنلزم اور کئی اور غیر اسلامی ازموں سے پر ہوتا رہا ہے۔ یہاں تک کہ اب یہ ازم اس ملک کی وحدت، آزادی اور سلامتی کے لئے ایک خطرہ بن گئے ہیں۔

جب سے پاکستان بنا ہے ہماری تمنا یہ رہی ہے کہ پاکستان کے تمام ثقافتی، نسلی اور لسانی منطقوں میں مکمل اتحاد موجود رہے۔ لیکن اس اتحاد کو قائم کرنے کے لئے اب تک ہم نے جتنی کوششیں کی ہیں چونکہ وہ خدا کے ان قوانین قدرت کے علم پر مبنی نہیں تھیں جن کے ماتحت منظّم انسانی جماعتوں یا ریاستوں کا اندرونی اتفاق یا افتراق ظہور پذیر ہوتا ہے لہٰذا وہ سب ناکام رہی ہیں۔ بلکہ حالات سے ظاہر ہے کہ ان کا نتیجہ برعکس ہی ہوا ہے۔ افسوس کہ ہم نے اس بات کو نہ سمجھا کہ اس دنیا میں کوئی چیز بے قاعدہ نہیں ہوتی بلکہ ہر واقعہ خدا کے ایسے قوانین کے عمل سے سرزد ہوتا ہے جو غیر مبدل اور بے پناہ ہیں۔ اگر ہم کسی مقصد کو حاصل کرنا چاہیں تو ہمارے سامنے صرف یہی ایک راستہ ہوتا ہے کہ ہم اپنے عمل کو خدا کے ان قوانین کے مطابق بنائیں جو اس مقصد کے حصول کی طرف لے جانے والے ہوں۔ اگر ہم ایسا نہ کر سکیں تو خدا کے یہی قوانین ہمارے خلاف کام کرتے ہیں اور ہمارے مقصد کو ناکام کر دیتے ہیں اور یہ کلیہ ہر حالت میں درست رہتا ہے خواہ ہمارا مقصد مادی دنیا کے اندر کسی تغیر سے تعلق رکھتا ہو۔ مثلاً ایک پل یا ریلوے لائن تعمیر کرانا یا حیاتیاتی دنیا کے اندر کسی تبدیلی کے متعلق ہو۔ مثلاً عمدہ گھوڑوں کی ایک نئی نسل یا گندم یا مکئی کی ایک نئی قسم تیار کرنا یا ہم نفسیاتی اور انسانی دنیا کے اندر کوئی تغیر چاہتے ہوں، مثلاً ایک قوم کے اندر اتحاد و اتفاق پیدا کرنا اور یہی تغیر ہے جو ہم اپنی قوم میں پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ چونکہ یہ تغیر انسانی دنیا سے تعلق رکھتا ہے اسے پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنے عمل کو خدا کے ان قوانین کے مطابق بنائیں جو قوموں کے اتفاق اور اتحاد کے ظہور پر حکمران ہیں۔ انسان کی پوری تاریخ کے حقائق سے یہ بات آشکارا ہے کہ نصب العین کی محبت ہی دنیا میں ایک قوت ہے جو افراد کو متحد کر کے ایک قوم بناتی ہے۔ ان کو جماعتی عمل اور جدوجہد پر اکساتی ہے اور ان کو منظّم کر کے ایک ریاست کی شکل میں

لاتی ہے جب نصب العین کو انسان کی قدرتی عملی زندگی کے مختلف شعبوں پر چسپاں کیا جاتا ہے تو وہی ایک نظریہ بن جاتا ہے نصب العین کے بغیر نہ کوئی ریاست وجود میں آ سکتی اور نہ ہی وجود میں آنے کے بعد کوئی کام کر سکتی یا قائم رہ سکتی ہے۔ ایک ہی نصب العین کو چاہنے والے افراد ایک مشترک نصب العین سے محبت رکھنے کی وجہ سے ایک دوسرے کے ساتھ بھی محبت رکھتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ مل کر ایک منظّم جماعت یا ریاست بن جائیں تا کہ اپنے نصب العین کو حاصل کرنے کے لئے زوردار جدوجہد کر سکیں۔

ہر فرد انسانی اس طرح بنایا گیا ہے کہ وہ کسی نہ کسی نصب العین سے محبت کرنے کے لئے مجبور ہے۔ اگر وہ ایک نصب العین سے محبت نہ کر سکے تو اس کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ فی الفور کسی دوسرے نصب العین سے محبت کرے اور اگر وہ ایسا نہ کر سکے تو مختلف قسم کی ذہنی اور قلبی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ نصب العین کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ موافق قسم کے تعلیمی اثرات سے اس کی محبت نشو ونما پا کر اپنے کمال کو پہنچ جاتی ہے اور ناموافق قسم کے تعلیمی اثرات سے اس کی محبت کمزور اور مضمحل ہو کر مٹ جاتی ہے اور پھر ایک اور ہی نصب العین کی محبت اس کی جگہ لے لیتی ہے۔

خدا نے ہر فرد انسانی کے دل میں نصب العین کی محبت کی ایک خاص استعداد رکھی ہے۔ اگر اس کی تعلیم وتربیت اس طرح سے ہو کہ اس کا نصب العین اس کی محبت کی ساری فطری استعداد کو کام میں لے آئے تو نصب العین کی محبت اپنے کمال کو پہنچ جاتی ہے۔ لیکن اگر بدقسمتی سے اس کی تعلیم وتربیت اس طرح سے نہ ہو اور اس کا اپنا نصب العین اس کی ساری فطری استعداد محبت کو کام میں نہ لا سکے اور اس کی محبت درجہ کمال پر نہ پہنچ سکے بلکہ کمزور اور مضمحل رہے تو پھر چونکہ فرد کی فطری استعداد محبت کا کوئی حصہ غیر معروف نہیں رہ سکتا۔ وہ فرد دوسرے نصب العینوں کے تعلیمی اثرات کی زد میں آنے اور ان کی محبت کا شکار بننے کے لئے مہیا ہو جاتا ہے اور اگر وہ درحقیقت کسی اور نصب العین کے تعلیمی اثرات کے نرغہ میں آ جائے تو وہ نصب العین اس کی فطری استعداد محبت کے ایک حصہ کو اپنے تصرف میں لے آتا ہے۔ اس صورت میں اس کے پہلے نصب العین کی محبت اور کمزور ہو جاتی ہے اور اس نئے نصب العین کی محبت اسی نسبت سے طاقتور ہو جاتی ہے۔ اس

خطرناک حالت میں اگر مخالف نصب العین کے تعلیمی اثرات کو ختم کر کے اور اصل نصب العین کے تعلیمی اثرات کو پوری طرح سے طاقتور بنا کر اس عمل کا فوری سدِ باب نہ کیا جائے تو پھر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد فرد اپنے اصل نصب العین کو کلیتہً چھوڑ دیتا ہے اور اس کی بجائے اس دوسرے نصب العین کو اختیار کر لیتا ہے۔ اسی حالت میں وہ اپنے پہلے نصب العین کے چاہنے والے کی حیثیت سے گویا موت کے منہ میں چلا جاتا ہے اور نیست و نابود ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب کسی ریاست کے افراد کے دلوں میں ان کے اصل نصب العین کی محبت کمزور ہو گی تو پھر ایک نصب العین نہیں بلکہ بہت سے نصب العین اپنے تعلیمی اثرات کو لے کر اس کی جگہ لینے کے لیے سامنے آ جائیں گے اور ریاست کے لوگوں کا نصب العین ایک نہیں رہے گا بلکہ ان کے نصب العین بہت سے ہو جائیں گے اور ریاست ٹکڑوں میں بٹ جائے گی۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی ریاست جو کسی خاص دن اپنی آزادی حاصل کر کے وجود میں آئے ایک مضبوط اور ترقی پذیر وحدت کے طور پر زندہ رہنا چاہتی ہو اور یہ نہ چاہتی ہو کہ وہ چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بٹ جائے جن میں سے ہر ایک کا نصب العین دوسروں سے مختلف ہو تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اسی دن ایک ایسا نظام تعلیم قائم کرے جو اس کے افراد کے مشترک نصب العین کی محبت کو نہ صرف اس درجہ پر قائم رکھ سکے جو اس کو وجود میں لایا تھا بلکہ اسے ترقی دے کر کمال پر پہنچا سکے تاکہ کسی اور نصب العین کے اثر و نفوذ کا کوئی امکان باقی نہ رہے۔ ریاست کے اس فرض کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ وہ تمام مخالف یا دشمن نصب العینوں کے تعلیمی اثرات کا پوری طرح سے سدِ باب کرے خواہ وہ ملک کے اندر سے نمودار ہوں یا باہر سے آئیں۔ اس قسم کے تعلیمی اثرات ملکی اور غیر ملکی مدرسوں اور کالجوں کی درسی کتابوں اور استادوں اور پروفیسروں کی تقریروں کی راہ سے ہی نہیں آتے بلکہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن اور اخباروں، رسالوں، کتابوں اور کوتاہ نظر نیم حکیم بلکہ زہر فروش قسم کے لیڈروں اور دانشوروں کی تقریروں، گفتگوؤں اور اخباری بیانوں، غیر ملکی مشینریوں کے دوا خانوں اور ہسپتالوں، دودھ کے ڈبوں، امن کے جزیروں، دیہاتی ترقی اور خوش حالی کے کاموں اور دشمن فرقوں اور قوموں کی سیاسی سازشوں اور غیر ملکی نام نہاد مفکروں اور شخصیتوں کے مشوروں، غیر ملکی متحرک اور غیر متحرک کتب خانوں اور اطلاعاتی

مرکزوں کی راہ سے بھی آتے ہیں۔جس طرح سے بعض غذائیں زہریلی ہوتی ہیں اوران سے جسم کی موت واقع ہو جاتی ہے اسی طرح سے بعض آراء وافکار اور خیالات اور تصورات بھی زہریلے ہوتے ہیں اوران سے روح کی موت واقع ہوجاتی ہے۔اگر ریاست اپنے اس فرض سے غافل ہوجائے تو ناممکن ہے کہ وہ تادیر زندہ رہ سکے اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ مخالف قسم کے تعلیمی اثرات سے قوم کو بچانا تو درکنار صحیح نظام تعلیم قائم نہ کرسکنے کی وجہ سے پھر وہ لازماً ایک غلط نظام تعلیم قائم کرے گی جو نہ صرف قوم کے صحیح نصب العین کی محبت کی نشوونما کو روک دیگا بلکہ غلط نصب العینوں کی محبت کی نشوونما کرے گا یا کم ازکم ان کی محبت کی نشوونما کے لئے راستہ کھلا چھوڑ کر سہولتیں بہم پہنچائے گا۔ایسی ریاست کی مثال اس غلام کی طرح ہوگی جو اپنے ظالم آقا سے بھاگنے میں کامیاب ہو جائے لیکن جنگلی جانوروں اور دشمنوں سے بے پرواہ ہوکر ایک خطرناک جنگل میں جا کر سو جائے۔

ہر منظّم انسانی جماعت یا ریاست ایک زندہ جسم حیوانی Organism کی طرح ہوتی ہے اوراس کا کردار ایسے نفسیاتی قوانین کے مطابق سرزد ہوتا ہے جو حیاتیاتی قوانین سے مشابہت رکھتے ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ زندگی ایک ہی ہے اوراس کی خصوصیات ایک ہی رہتی ہیں خواہ وہ اپنا اظہار حیوانی سطح پر کر رہی ہو یا انسانی سطح پر، اگر غور سے دیکھا جائے تو ایک زندہ جسم حیوانی بھی ایک فرد واحد نہیں ہوتا بلکہ کروڑوں افراد کی ایک منظّم جماعت یا ریاست ہوتا ہے جن کو ہم خلیات کہتے ہیں اور جو سب مل کر اس ریاست کی زندگی اور نشوونما کو برقرار رکھنے کیلئے کام کرتے ہیں۔ جس طرح سے ایک زندہ جسم حیوانی کی قوت حیات کروڑوں خلیات کو متحد اور منظّم کر کے ایک جسد واحد بنا دیتی ہے اسی طرح سے نصب العین کی محبت کی بے پناہ قوت کروڑوں انسانی افراد کو متحد اور منظّم کر کے ایک ریاست بنا دیتی ہے۔ایک جسم حیوانی کے خلیات جس قدر زیادہ قوت حیات سے معمور ہوتے ہیں اسی قدر زیادہ ان میں تعاون اور اتحاد ہوتا ہے اوراسی قدر زیادہ جسم صحتمند ہوتا ہے اور نشوونما پاتا ہے، اسی طرح سے ایک ریاست کے افراد جس قدر زیادہ اپنے نصب العین سے محبت رکھتے ہوں اسی قدر زیادہ ریاست بھی متحد اور منظّم اور ترقی پذیر اور خوشحال ہوتی ہے کیونکہ اسی قدر زیادہ اس کے افراد جذبہ عمل سے سرشار ہوتے ہیں اوران کا کردار حرص و ہوا سے مامون و

مصئون اور تنگ نظرانہ الفتوں اور ہمدردیوں اور خودغرضیوں اور جنبہ داریوں سے بلند و بالا ہوتا ہے۔ جب ریاست کے افراد کے دلوں میں نصب العین کی محبت اپنے پورے کمال پر پہنچ جائے تو ریاست اوراس کے افراد کے یہ زریں اوصاف بھی اپنے کمال پر پہنچ جاتے ہیں۔

جس طرح سے انسان کے جسم کو پوری طرح سے نشو ونما پانے، تندرست رہنے اورعمر دراز پانے کے لئے ایسی خوراک کی ضرورت ہوتی ہے جو پروٹین، حیاتین اورفلزات سے بھرپور ہو اسی طرح سے ایک ریاست کوتوانا رہنے، ترقی کرنے اوردنیا کے نقشہ پر ہمیشہ کے لئے موجود رہنے کے لئے ایسے نصب العین کی ضرورت ہوتی ہے جوحسن خیر اور صداقت کے اوصاف سے بدرجہ کمال بہرہ ور ہو جس طرح سے جاندار کے جسم کے اندر ایسے اعضائے رئیسہ ہوتے ہیں جو جسم کی غذا کو ہضم اور جذب کر کے جسم کے خلیات کے ذریعہ سے جسم کے کونے کونے میں پہنچانے کا کام کرتے ہیں، اسی طرح سے ایک زندہ ریاست کے اندر بھی نظام تعلیم اور کئی اور تعلیمی اور تبلیغی اداروں کی صورت میں ایسے مراکز ہوتے ہیں جو ریاست کے افراد کے ذریعہ سے نصب العین کی محبت کی نشو ونما کرنے والے افکار وتصورات کو ریاست کے کونے کونے میں پہنچاتے ہیں۔ اگر وہ خوراک جو ایک جاندار کو میسر آ رہی ہو ضروری عناصر سے عاری ہو تو پھر جاندار کے جسم کی قوت حیات کمزور ہوجاتی ہے اور جاندار بیمار ہو کر قریب المرگ ہوجاتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی ریاست کا نصب العین حسن، صداقت اور خیر کے اوصاف سے بدرجہ کمال بہرہ ور نہ ہو تو ریاست زود یا بدیر کمزور ہو کر صفحہ ہستی سے مٹ جاتی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ خدا کے وہ قوانین جو کسی ریاست کے اندرونی اتحاد یا افتراق اور ان کے ملحقہ اوصاف یا امراض کو پیدا کرنے کے لئے عمل کرتے ہیں۔ حسب ذیل ہیں:۔

1۔ ہر ریاست بہت سے افراد کی اس خواہش کے نتیجہ کے طور پر جنم لیتی ہے کہ وہ ایک ایسے نصب العین کے تقاضوں کو عملی زندگی میں پورا کرنے کے لئے مل کر جدو جہد کریں جسے وہ دل و جان سے چاہتے ہیں۔

2۔ اگر دوسرے حالات یکساں ہوں تو ایک ریاست کے افراد جس قدر زیادہ اپنے نصب العین سے محبت رکھتے ہوں اسی قدر زیادہ وہ ریاست متحد اور منظم اور طاقتور اور ترقی پذیر اور خوش حال

ہوتی ہے۔

3۔ ایک ریاست کا نظام تعلیم جس میں تعلیم کے تمام ذرائع پر اس کا تسلط شامل ہے اس کے ہاتھ میں ایک ایسا آلہ کار ہوتا ہے جس کے صحیح یا غلط استعمال سے وہ ریاست کے افراد کے دلوں میں ان کے نصب العین کی محبت کو زیادہ یا کم کر سکتی ہے، کمال پر پہنچا سکتی ہے یا بالکل نیست و نابود کر سکتی ہے۔

4۔ وہ ریاست جو اپنے افراد کو ایسی تعلیم نہیں دیتی جس سے وہ اس نصب العین کو جو اسے وجود میں لانے کا باعث ہوا تھا دل و جان سے محبت کرنے لگیں ضروری ہے کہ وہ زود یا بدیر مٹ کر رہے

5۔ ضروری ہے کہ ایک ریاست کا نصب العین بدرجہ کمال حسن، نیکی اور صداقت کے اوصاف کا مالک ہو تا کہ ریاست ارتقا کی ان قوتوں کے سامنے ٹھہر سکے بلکہ ان قوتوں کی حمایت اور حفاظت میں پناہ لے سکے، جو ناقص نصب العینوں پر قائم ہونے والی تمام ریاستوں کو توڑ پھوڑ کر مٹانے اور کامل نصب العین پر قائم ہونے والی ریاست کو محفوظ رکھنے اور ترقی دینے کے لئے کارفرما ہیں۔

اس بات پر اختلاف ہوسکتا ہے کہ قائداعظم کے ساتھیوں میں سے کون پاکستان کے مقصد کے متعلق مخلص تھا اور کون نہیں، لیکن جو نعرہ مسلمانوں کو شہادت پانے کے لیے گھروں سے باہر لایا تھا وہ یہی تھا:۔ پاکستان کا مطلب کیا لاالٰہ الا اللہ ،لہٰذا جس نصب العین کے لئے مسلمانوں نے جان و مال اور نام و ناموس کی بے شمار قربانیاں دی تھیں اور جس نصب العین نے آخر کار مسلمانوں کو متحد اور منظّم کر کے پاکستانی ریاست کی شکل دی تھی وہ خدا کا عقیدہ تھا جو اسلام کی روح ہے اور جس پر اسلام کے تمام فرقے متفق ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے تمام فرقوں نے مل کر کسی اختلاف کے بغیر پاکستان کے لئے وہ جدو جہد کی تھی جس کے نتیجہ کے طور پر 14 اگست 1947ء کی رات کو جو رمضان کے مقدس مہینہ کی مقدس ستائیسویں رات بھی تھی، پاکستان کا مقدس ملک وجود میں آیا تھا۔ لہٰذا پاکستان کی سلامتی اور بقا کے لئے ضروری تھا کہ اسی دن سے ہم یونیورسٹیوں کے ایک ایسے نظام تعلیم کی تشکیل کے کام میں لگ جاتے، جو پاکستان کے نصب العین یعنی لا الٰہ الا اللہ یا خدا کی محبت کو نہ صرف اس درجہ پر قائم رکھتا جو پاکستان کو وجود میں لانے کا سبب ہوا تھا بلکہ اسے اور ترقی دے کر نقطہ کمال پر پہنچاتا اور وہاں موجود رکھتا تاکہ

پاکستان بنانے والی قوم پھر کسی دوسرے نصب العین کی طرف مائل نہ ہوسکتی اور اس کے ساتھ ہی ہم ملک کے اندر یا باہر کے ازموں اور عقیدوں سے پیدا ہونے والے ایسے تعلیمی اثرات کا پوری قوت اور جرات سے سدباب کرتے جو کسی درجہ میں بھی پاکستان کے نصب العین کے تقاضوں کے منافی ہوتے۔ جہاں تک یونیورسٹیوں کے نظام تعلیم کی نئ تشکیل کا تعلق ہے ظاہر ہے کہ اگر ہم اسے پاکستان کے نصب العین کے مطابق بنانے کی کوششیں کرتے تو ہم یہ محسوس کرتے کہ یہ ضروری ہے کہ اس میں خدا کا اسلامی عقیدہ تمام سائنسی علوم یعنی طبیعیاتی، حیاتیاتی اور انسانی علوم کی درسی کتابوں کے موضوعات کا مرکزی اور محوری تصور ہو اور پھر ہم ان علوم کی درسی کتابوں کو اس زاویہ نگاہ سے از سر نو تیار کرتے لیکن افسوس کہ ہم نے بیس سال ضائع کر دیئے اور ایسا نہ کیا۔ اس کے برعکس ہم نے پاکستان میں وہی بے خدا نظام تعلیم رائج کیا اور قائم رکھا جو انگریز نے اپنے نصب العین کی ضروریات کے تحت نافذ کیا تھا۔ یہ نظام تعلیم بیس سال سے ہمارے دلوں میں خدا کی محبت کے اس جوش و خروش کو ٹھنڈا کرتا رہا ہے جس کی وجہ سے پاکستان بنا تھا اور اس کے عوض میں ہمارے دلوں کو اندرونی اور بیرونی غلط ازموں کی محبت سے گرماتا رہا ہے۔ ناممکن تھا کہ ہم اس نظام تعلیم کے خطرناک اثرات کو نصاب تعلیم کے اندر اسلامیات کے ایک مضمون کا اضافہ کر کے روک سکتے۔ اس مضمون کے اضافہ سے الٹا نتیجہ یہ ہوا کہ طلبہ کے دل میں یہ بات اور راسخ ہوگئی کہ خدا کا عقیدہ کائنات کے علوم کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ جبھی تو خدا کا عقیدہ صرف ایک مضمون میں ہے اور باقی مضامین اس سے خالی ہیں۔

ان حالات میں کوئی تعجب نہیں کہ خدا کے وہ قوانین جو منظّم انسانی جماعتوں یا ریاستوں کے اندرونی اتحاد و افتراق کو پیدا کرنے کے لئے کارخانہ قدرت میں کارفرما ہیں۔ ان بیس سالوں میں ہمارے خلاف کام کرتے رہے ہیں۔ یہاں تک کہ آج ان ازموں کے چاہنے والے پاکستان کے نصب العین کے خلاف میدان میں اتر رہے ہیں اور ملک کے کئی ٹکڑوں میں بٹ جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ خدا کے ان قوانین کا فیصلہ یہ ہے کہ اس صورت حال کا شافی اور کافی علاج سوائے اس کے اور کوئی نہیں کہ نظام تعلیم کو پاکستان کے نصب العین کے مطابق نہ بنانے کی جو غلطی پاکستان کے ظہور کے دن کی گئی تھی اس کا ازالہ کیا جائے اور خدا کے تصور پر مبنی نظام تعلیم وجود میں

لایا جائے۔ جو قوم نظریاتی محاذ پر اپنی حفاظت نہیں کرتی وہ فوجی محاذ پر بھی اپنی حفاظت نہیں کر سکتی خواہ وہ میزائلوں اور ایٹم بموں کے انبار لگا دے لہٰذا تعلیم ایک ریاست کے لئے زندگی اور موت کا سوال ہے۔ وہ ڈیفنس کا ایک حصہ ہے اور اسے ڈیفنس کے ساتھ ہی مرکز میں رہنا چاہیے۔

یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہمارا نصب العین یعنی خدا کا عقیدہ ہر نقص سے پاک اور ہر کمال سے آراستہ ہے۔ چونکہ اس میں حسن، خیر اور صداقت کی صفات بدرجہ کمال موجود ہیں۔ خدا سے بلند تر نصب العین تصور میں نہیں آ سکتا۔ یہ نصب العین وہ مکمل روحانی غذا ہے جس میں خودی یا روح کی اشتہائے حسن کو مطمئن کرنے اور خودی کی پرورش کرنے کے لئے صفات حسن کی صورت میں تمام ضروری اجزاء وعناصر موجود ہیں۔ لہٰذا اگر ہم اس نصب العین سے محبت کرنے کے لئے اپنے آپ کو مناسب تعلیم وتربیت سے مستفید کرتے رہیں تو اس سے کبھی اکتا نہیں سکتے اور نہ اس کو ترک کر سکتے ہیں، لہٰذا ایسی حالت میں ایک قوم کی حیثیت سے کبھی مٹ نہیں سکتے۔ یہ نصب العین کائنات کے جذبہ کمال کا مقصود اور مطلوب ہے۔ یہ نصب العین بیک وقت حرکت ارتقا کا راستہ بھی ہے اور منزل بھی۔ عملی تاریخ کا ذریعہ بھی ہے اور اس کا حاصل بھی۔ لہٰذا اس نصب العین کے عشاق اس تباہی سے محفوظ رکھے جاتے ہیں جو غلط نصب العینوں کے چاہنے والوں کے لئے مقدر کی گئی ہے۔ ارتقائے عالم کی وہی قوتیں جو تمام غلط نصب العینوں کو مٹانے کے لئے کارفرما ہیں وہی قوتیں اس نصب العین کو دنیا بھر میں ان کی جگہ دلانے کے لیے مصروف عمل ہیں۔ لہٰذا کوئی وجہ نہیں کہ ہم احساس کمتری کا شکار بن کر تعلیم کے بارہ میں مٹ جانے والی بے بصیرت قوموں کی پیروی کریں اور خدا کے عقیدہ کو تمام علوم کے محوری تصور کی حیثیت سے تعلیم میں نہ لائیں۔ افسوس ہے کہ وہ قوم جو اس لئے پیدا کی گئی ہے کہ پوری نوع انسانی کو خدا کے عقیدہ پر متحد کر کے امن اور عافیت کی نعمتوں سے ہمکنار کرے۔ وہی قوم اس عقیدہ کی بنا پر اپنے اتحاد کا سامان کرنے سے گریز کر رہی ہے اور وہ بھی صرف اس لئے کہ وہ دوسروں کی نقل کو ہر حالت میں مطابق اصل کے رکھنا چاہتی ہے اور اس میں کوئی فرق پیدا کرنا نہیں چاہتی۔ اگر ہم زندہ رہنا چاہتے ہیں تو ہمیں خدا کے ان بے پناہ اور غیر مبدل قوانین کی آواز کو سننا چاہیے جس کا ذکر اس سے پہلے کیا گیا ہے اور خدا کے عقیدہ کو اپنی تعلیم کے اندر سائنسی علوم کا مرکزی اور محوری تصور بنانا چاہیے۔ اگر ہم نے ایسا کیا تو یہ

کوئی نئی بات نہ ہوگی۔ بلکہ فقط اپنے آباء واجداد کی دانش مندی کا اعادہ ہوگا۔ یہ بات اب مسلم ہے کہ دنیا کے سب سے پہلے سائنس دان جنہوں نے سائنسی طریق تحقیق ایجاد کیا تھا اور سائنسی علوم کی بنیاد رکھی تھی اسپین کے مسلمان تھے۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے کہ مظاہر قدرت خدا کی نشانیاں ہیں ان کا مشاہدہ اور مطالعہ کروتا کہ تم خدا کو پہچان سکو، یہی وجہ ہے کہ خدا کا عقیدہ مسلمانوں کی سائنس کا مرکزی تصور تھا۔ لیکن جب مسلمان اسپین سے رخصت ہوئے اور سائنس ان کے عیسائی شاگردوں کے ہاتھ آئی تو چونکہ قرآن حکیم کی تعلیمات کے بالکل برعکس جدید عیسائیت کی تعلیم یہ ہے کہ دین اور دنیا کا آپس میں کوئی تعلق نہیں اور یہ سمجھ لیا گیا کہ سائنس فقط اس دنیا سے تعلق رکھتی ہے لہٰذا انہوں نے خدا کے پاک تصور کو بزعم خود ناپاک سائنس سے الگ کر دیا۔ لیکن اب مغرب کے مفکرین اپنی غلطی کا احساس کر کے قرآن حکیم کی اس تعلیم کی طرف واپس لوٹ رہے ہیں کہ مظاہر قدرت خدا کی ہستی اور صفات کے نشانات ہیں اور ان کا مشاہدہ اور مطالعہ اسی حیثیت سے کرنا چاہیے کیونکہ وہ سمجھ رہے ہیں کہ اس غلطی نے ان کی تہذیب کو جاں بلب کر دیا ہے۔ دنیا کا ایک ممتاز سائنس دان ڈاکٹر آرتھر ہارڈ لنگ اپنی کتاب ''فلکیات'' میں لکھتا ہے:

> ''جوں جوں انسان سائنس کے کرشموں سے واقفیت حاصل کرتا جاتا ہے اپنے گردوپیش کی کائنات کے متعلق اس کا علم بڑھتا جاتا ہے اسی نسبت سے وہ مذہب کے اور قریب آجاتا ہے اور اپنے پیدا کرنے والے کا زیادہ احترام کرتا ہے۔ کوپرنیکس کے زمانہ سے آج تک سائنس نے جتنی ترقی کی ہے وہ یقیناً اہل دنیا کے لئے خدا کو پہچاننے اور پانے کا سب سے بڑا اور منظم ذریعہ ہے''۔

لیکن جب تک خدا کا عقیدہ سائنس کے کتاب کے اندر داخل ہو کر اور سائنس کے ساتھ جڑ کر سائنسی حقائق کی راہ نمائی اور تنظیم نہ کرے، سائنس سے خدا کو جاننے اور پہچاننے کا کام نہیں لیا جا سکتا۔ یہی سبب ہے کہ ''دیہاتی امریکہ کی توسیع'' کے مصنفین ولسن Wilson اور برونر Brunner لکھتے ہیں:-

''اگر سائنسی علم بعض ایسے فلسفیانہ اور مذہبی عقائد کے زیر ہدایت و تسلط مدون کیا

جائے جو زندگی کی بنیادی قدروں اور غرضوں کے حامل ہوں تو ہمارے خیال میں یہ بات نوع انسانی کے لئے بہت بڑی برکت کا باعث ہوگی''۔

فیلڈ مارشل سمٹس F.M.Smuts جس نے ہولزم Holism کے عنوان سے فلسفہ کی ایک نہایت ہی اونچی اور عمدہ کتاب لکھی ہے کہتا ہے:

''صداقت کی مخلصانہ جستجو اور نظم اور حسن کا ذوق رکھنے کی وجہ سے سائنس، مذہب اور فن کی بعض خصوصیات سے حصہ لیتی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ کہنا بہت حد تک قرین انصاف ہوگا کہ سائنس ہمارے اس زمانہ کے لوگوں کے لئے شاید خدا کی ہستی کا سب سے بڑا انکشاف ہے۔ یقیناً آگے چل کر نوع انسانی کے لئے کرنے کے بڑے بڑے کاموں میں ایک یہ ہوگا کہ وہ سائنس کو اخلاقی قدروں کے ساتھ جوڑے اور اس طرح اس مہیب خطرہ کا سد باب کرے جو ہماری تہذیب کے مستقبل کو در پیش ہے۔''

مغربی مفکرین کی تحریروں سے اس قسم کے بیشمار حوالے نقل کیے جاسکتے ہیں جن میں وہ سائنس کو مذہب کے ساتھ جوڑنے پر زور دیتے ہیں۔ لیکن بے خدا سائنس کے تباہ کن اثرات کو جس وضاحت کے ساتھ پروفیسر پٹی رم سوروکن نے بیان کیا ہے شاید اور کسی مغربی مفکر کو اس کی توفیق نہ ہوئی ہو۔ پروفیسر پٹی رم سوروکن جس کو امریکی رسالہ سوشیالوجی اور سوشل ریسرچ THE GREATEST MIND OF THIS GENERATION قرار دیتا ہے حال ہی میں امریکہ کی ہارورڈ یونیورسٹی کی سوشیالوجی ڈیپارٹمنٹ کی صدارت سے پینشن پاکر سبکدوش ہوا ہے اس نے ''ہمارے دور کا بحران'' THE CRISIS OF OUR AGE عنوان سے صرف یہ بتانے کے لئے ساڑھے تین سو صفحات کی ایک کتاب لکھی ہے کہ مغربی تہذیب ایک ''المناک بحران'' تک پہنچ گئی ہے جو عنقریب اس کی ''تباہی'' کا موجب ہوگی اور یہ تباہی ''دور حاضر کے انسان کے لئے'' ذلت اور نکبت'' کا پیغام اپنے ساتھ لائے گی۔ وہ کہتا ہے کہ مغربی تہذیب کے اس بحران کا سبب یہ ہے کہ:

''وہ اس اعتقاد کی بنیاد پر وجود میں آئی تھی کہ سچی صداقت اور سچی نیکی

دونوں کلیتاً یا بیشتر حسی اور مادی ہیں۔ ہر وہ چیز جو حواس خمسہ کی گرفت سے بالا ہے بطور صداقت کے فرضی ہے یا تو اس کا کوئی وجود ہی نہیں یا اگر کوئی وجود ہے تو چونکہ وہ حواس خمسہ سے معلوم نہیں کیا جا سکتا وہ غیر موجود کے حکم میں ہے۔ چونکہ سچی صداقت یا سچی نیکی کو مادی یا حسی قرار دے لیا گیا تھا۔ ہر وہ چیز جو حواس کے ادراک سے ماوراء تھی خواہ وہ خدا کا تصور تھا یا انسان کا شعور ہر وہ چیز جو غیر حسی اور غیر مادی تھی اور جو روزمرہ کے تجربات میں دیکھی سنی، چھوئی یا سونگھی نہیں جا سکتی تھی ضروری تھا کہ اسے غیر حقیقی، غیر موجود اور بے سود قرار دے دیا جاتا چنانچہ ایسا ہی ہوا اس شجر کاری کا پہلا زہر آلود پھل یہ تھا کہ سچی صداقت اور سچی نیکی کے دائرہ کو مہلک حدود تک محدود کر دیا گیا اور جب تہذیب ایک بار اس راستہ میں داخل ہوگئی تو پھر اس کو اسی راستہ پر آگے جانا پڑا نتیجہ یہ ہوا کہ صداقت اور نیکی کی دنیا ہر روز اور زیادہ حسیب اور مادیت کے تنگ سانچوں میں ڈھلتی گئی۔''

سوروکن آخر کار اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ دور حاضر کی حسیت زدہ تہذیب SENSATE CIVILIZATION کو بچانے کی صرف ایک صورت ہے اور وہ یہ کہ جس قدر جلد ممکن ہو وہ اپنے حسیت نواز بنیادی مفروضہ کو بدل کر اس کی جگہ کسی روحانی مفروضہ کو اپنی بنیاد بنائے لیکن وہ کہتا ہے کہ اس مقصد کے حصول کیلئے ضروری ہے کہ:۔

''حسیت زدہ تہذیب کے تمام مفروضوں اور تمام قدروں کا نئے سرے سے گہرا مطالعہ کیا جائے۔ اس کی خارج از وقت کاذب اقدار کو رد کیا جائے اور ان سچی قدروں کو بحال کیا جائے جو اس نے رد کر دی ہیں۔۔۔ ۔۔مذہب اور سائنس کا موجودہ اختلاف حد درجہ تباہ کن ہی نہیں بلکہ غیر ضروری بھی ہے اگر سچی صداقت اور سچی نیکی کے معقول اور تسلی بخش نظریہ کی روشنی میں دیکھا جائے تو مذہب اور سائنس دونوں ایک ہی ہیں اور ایک ہی مقصد کو پورا کرتے ہیں اور وہ مقصد یہ ہے کہ قادر مطلق خدا کی صفات کو

اس مرئی دنیا کے اندر آشکار کیا جائے تا کہ خدا کے نام کا بول بالا ہو اور
انسان کی عظمت پایہ ثبوت کو پہنچے۔''

لیکن مغربی تہذیب کے علمبردار اسلام کی راہ نمائی کے بغیر خدا اور سائنس کا الحاق نہیں کر سکیں گے۔ کچھ اس لئے کہ ان کے ہاں خدا کا عقیدہ شرک کی آلودگیوں سے پاک نہیں اور کچھ اس لئے کہ دین اور دنیا کی جدائی کا عقیدہ پھر ان کے آڑے آئے گا اور پھر کچھ اس لیے بھی کہ اب ان کا مرض حد سے زیادہ ترقی کر چکا ہے اور ان میں خدا پرستی کی طرف خود بخود رجوع کرنے کی قوت باقی نہیں رہی۔ لیکن اگر مغربی تہذیب نے اپنے آپ کو بچانے کے لئے اسلام کی راہ نمائی کو قبول کیا تو یہ بات پھر ثابت ہو جائے گی کہ درحقیقت خدا نے مسلمانوں کو اقوام عالم کی قیادت کے منصب پر فائز کر رکھا ہے کہ خدا کا نور بجھایا نہیں جا سکتا اور یہ کہ خدا نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ اس لئے بھیجا ہے کہ اس کا دین تمام نظریات پر غالب آئے۔

اسلام ہر اس پر امن تجویز اور طریق کار کا حامی ہے جس سے اسلام کی واقفیت اور بصیرت رکھنے والوں کی رائے میں معاشی عدل کے تقاضے پورے ہوتے ہوں خواہ وہ زکوٰۃ کی فراہمی کا اہتمام ہو یا اس کے بعد یا اس کے ساتھ ہی بعض ذرائع پیداوار کو قومیانے کا انتظام۔ لیکن انسان فقط جسم نہیں بلکہ وہ خودی یا روح بھی ہے اور خودی یا روح اصل انسان ہے جو جسم کی موت کے بعد بھی زندہ رہتا ہے اور جسم اصل انسان کی سواری ہے اور یہ سواری خواہ اسے کھلا پلا کر کتنا ہی موٹا کیا جائے صرف قبر تک ہی کام دیتی ہے۔ جسم کی طرح خودی کو بھی غذا اور لباس اور مکان کی ضرورت ہے۔ خودی کی غذا خدا کی صفات کا حسن ہے (له الاسماء الحسنیٰ) جو خودی اپنے اندر خدا کی عبادت اور خدا کی محبت کے سوز و گداز سے جذب کرتی ہے۔ قرآن میں ہے کہ دلوں کی اشتہائے حسن خدا کے ذکر سے مطمئن ہوتی ہے الا بذکر الله تطمئن القلوب۔ اور خودی کا لباس تقویٰ اور تخلق باخلاق اللہ ہے۔ قرآن میں ہے ولباس التقویٰ ذالك خیر اور خودی کا مکان جنت ہے۔ قرآن میں ہے کہ وہ لوگ جو خودی کی ضرورتوں کو سمجھتے ہیں ان کو جنت میں اونچے اونچے محل دیئے جائیں گے اس لیے کہ انہوں نے ان ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے صبر سے کام لیا تھا اولـئك یـجزون الغرفة بما صبروا۔ جس طرح سے جسم اپنی ضرورتوں کے

پورا نہ ہونے سے مرتا ہے، خودی بھی اپنی ضرورتوں کے پورا نہ ہونے سے مرتی ہے۔ خدا کہتا ہے کہ قرآن کی آواز تمہیں زندگی کی طرف بلاتی ہے اس کو سنو اور مانو اور خدا اہل ایمان کے لئے حیات طیبہ کا وعدہ کرتا ہے۔ جسم کی ضرورتوں کو پورا کرنے کا مقصد یہ ہے کہ وہ خودی کے کام آئے تا کہ خودی اس کی مدد سے اپنی ابدی زندگی اور مسرت کا اہتمام کرے۔ لیکن اگر خودی کی ضرورتوں کو بالکل بھلا دیا جائے تو پھر جسم کی ضررتوں کو پورا کرنے کا فائدہ کیا ہے۔ جسم کی بھوک، برہنگی اور بے خانگی سے عارضی موت مرنے والوں کی تعداد کم ہے لیکن خودی کی بھوک، برہنگی اور بے خانگی سے ابدی موت مرنے والے ان گنت ہیں اور روز ہماری آنکھوں کے سامنے مرتے رہتے ہیں۔ لیکن ہمیں ان پر رحم نہیں آتا اور ہم ان کے افلاس پر آنسو نہیں بہاتے اور اس کا مداوا نہیں کرتے۔ کیا وجہ ہے کہ ہمیں اپنی ناپائدار سواری کی فکر تو ہے لیکن اپنی فکر بالکل نہیں۔ ہمیں کہنا چاہیے کہ غذا لباس اور مکان ہماری سواری کو دو لیکن ہمیں بھی دو۔ اگر جسم کے افلاس کا علاج اچھی معیشت ہے تو خودی کے افلاس کا علاج اچھی تعلیم ہے جو خودی کی ضروریات کو پورا کر سکے، لہٰذا اچھی معیشت اور اچھی تعلیم کو ساتھ ساتھ رکھا جائے۔

مئے یقیں سے ضمیر حیات ہے پر سوز
نصیب مدرسہ یا رب یہ آب آتشناک

اقبال

''قرآن حکیم کا حقیقی مقصد یہ ہے کہ انسان اپنے اندر ان گونا گوں روابط کا ایک اعلیٰ اور برتر شعور پیدا کرے جو اس کے اور کائنات کے درمیان قائم ہیں۔ قرآنی تعلیمات کا یہی وہ بنیادی پہلو ہے جس کے پیش نظر گوئٹے نے بہ اعتبار ایک تعلیمی قوت اسلام پر من حیث الکل تبصرہ کرتے ہوئے ایکرمن سے کہا تھا ''تم نے دیکھا اس تعلیم میں کوئی خامی نہیں۔ ہمارا کوئی نظام، اور ہمیں پر کیا موقوف ہے، کوئی انسان بھی اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔'' اقبالؒ

کیا ذکراللہ سے مراد
منزّل من اللّٰہ---آخری کتاب
قرآن مجید ہے؟

قرآن مجید بلاشبہ اللہ تعالیٰ حق سبحانہ کا کلام ہے اور کلام متکلم کی صفت ہوتا ہے۔ کلام سے متکلم کی شانیں جھلکتی ہیں۔اللہ تعالیٰ کی شانیں جس طرح ہمہ گیراور متنوع قسم کی ہیں اسی طرح کلام پاک کی شانیں بھی ہمہ گیراور متنوع ہیں۔

قرآن مجید کے لئے خود قرآن میں الذکر ''ذکریٰ، تذکرہ کے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔

فرمایا!

انا نحن نزلنا الذکر و انا له لحفظون o (الحجر-9)

ترجمہ: '' بے شک یہ (کتاب) نصیحت ہمیں نے اتاری ہے۔اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں''

ان ھذہ تذکرۃ فمن شاء اتخذ الی ربّه سبیلا o(المزمل۔19)

ترجمہ: ''یہ (قرآن) تو نصیحت ہے سو جو چاہے اپنے پروردگار تک (پہنچنے) کا راستہ اختیار کرلے''

ان ھذہ تذکرۃ فمن شاء اتخذ الی ربّه سبیلا o(الدھر۔29)

''یہ تو نصیحت ہے جو چاہے اپنے پروردگار کی طرف پہنچنے کا رستہ اختیار کرے''

وماھی الاذکریٰ للبشرo (المدثر۔31)

''اور یہ تو بنی آدم کیلئے نصیحت ہے''

فمالھم عن التذکرۃ معرضین o (المدثر49)

''ان کو کیا ہوا کہ نصیحت سے روگردان ہورہے ہیں''

کلا انه تذکرۃفمن شاء ذکرہ o (المدثر)

''کچھ شک نہیں کہ یہ نصیحت ہے تو جو چاہے اسے یاد رکھے''

''ذکر'' کے لفظی معنی استحضار الله فی القلب (دل میں اللہ کی یاد دلانا) ہر کام نصیحت، عمل، تحریر، تقریر، گفتگو، ذکر کے درجے میں ہے جس سے قلب میں اللہ کی یاد تازہ ہو جائے یا دل اللہ کی یاد سے بھر جائے۔

اسی معنے میں ذکر کے لفظ میں اس جانب بھی اشارہ ہے کہ اللہ نے فطرت انسانی میں بعض بدیہی باتیں ڈال دی ہیں۔ ہر انسان کے دل میں اللہ نے اپنی محبت کی کوئی نہ کوئی رمق رکھی ہے، نیکی اور بدی کی تمیز رکھی ہے۔ آخرت اور جوابدہی کا احساس رکھا ہے۔ یہ احساس تازہ رہے تو کیا ہی کہنے انسان، انسان رہتا ہے مگر انسان میں نسیان کا مادہ ہے جس کی وجہ سے انسان ان بنیادی حقائق کو بھی کبھی کبھی بھول جاتا ہے۔ ہر چیز یا نصیحت، واقعہ، عمل، تحریر، تقریر یا منظر جو دل میں اللہ کی یاد دوبارہ تازہ کر دے اور انسان کو نسیانی سے نکال کر 'حضور' کی کیفیت میں لے آئے یہی ذکر ہے اسی لئے ذکر کے معنی پنجابی (یا ھندی) میں لفظ 'چیتا' کرانا کے بھی کئے گئے ہیں جو اس کے حقیقی مفہوم کے بہت قریب ہے۔

اسی مفہوم میں سورۃ ق میں اللہ نے اپنی نعمتوں اور آخرت کے تذکرہ کے بعد فرمایا!

تبصرة و ذكرىٰ لكل عبد منيب ٥ (ق۔8)

ترجمہ: ''تا کہ رجوع لانے والے بندے ہدایت اور نصیحت حاصل کریں''۔

اسی سورۃ میں موت کے تذکرے، دوزخ اور جنت کے مناظر کے بعد فرمایا لوگ قرآن مجید کی باتوں پر کیوں توجہ نہیں کرتے؟ بعض لوگ قرآن پر متوجہ ہوتے ہیں مگر اس کے لوازم پورے نہیں کرتے یقیناً قرآن مجید سے فائدہ وہی حاصل کر پاتا ہے جس کا دل زندہ ہو اندر کا انسان زندہ ہو ضمیر زندہ ہو یا ذرا کمزور اور زنگ آلود ہو گیا تو پھر زیادہ ریاضت اور محنت سے قرآن کو سنو! اور بار بار سنو! تو شاید بات دل میں اتر جائے اور دل کا زنگ دور ہو جائے۔

ان فی ذٰلك لذكرىٰ لمن كان له قلب او القى السمع
و هو شهيد ٥ (ق۔37)

''جو شخص دل (آگاہ) رکھتا ہے یا دل سے متوجہ ہو کر سنتا ہے اس کے لئے

اس میں نصیحت ہے''

مثبت طور پر قرآن مجید کو ''ذکر'' فرما کر اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کی طرف اضافت کی نسبت سے بھی ترکیب کئی جگہ وارد ہے۔اور تفخیم شان اور جلالت خداوندی کی مظہر ہے۔سورۃ جمعہ میں نماز جمعہ کی اہمیت کے ضمن میں جہاں خصوصی حکم آیا ہے وہاں خطبہ جمعہ کے لئے ذکر اللہ کا لفظ ہے جس کی مزید وضاحت احادیث مبارکہ میں آتی ہے۔چنانچہ سنن ابی داؤد میں ہے۔

کان یخطب بسورۃ ق فی کل جمعۃ

''رسول اکرم ﷺ ہر جمعہ میں سورۃ ق کا خطبہ دیا کرتے تھے''

اور امام نوویؒ نے شرح مسلم میں نبی اکرم ﷺ کے خطبہ جمعہ کی شان یہی بیان کی ہے۔

کان یقرء القرآن ویذکر الناس

''رسول اکرم ﷺ قرآن پڑھتے تھے اور لوگوں کو نصیحت کرتے تھے''

یعنی جمعہ کے دو خطبے دراصل قرآن مجید اور کلام پاک ہی کے تذکرے سے لبریز دو مختصر تقریروں کا نام ہے جس کی وجہ سے قرآن خطبہ جمعہ کو بطور حال ''ذکر اللہ'' کہہ رہا ہے یا بطور ''رمز'' اور اشارہ کے ذکر اللہ کہہ رہا ہے کہ خطبہ جمعہ کا مزاج اللہ کے ذکر یعنی قرآن پر مبنی ہونا چاہئے۔

سورۃ صف اور سورۃ جمعہ ترتیب مصحف میں بھی متصل ہیں اور معنوی لحاظ سے جوڑا سورتیں ہیں (جیسے قرآن مجید کی آخری دو سورتیں معوذتین یا سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران کو بھی معنوی لحاظ سے جوڑا ہی کہا گیا ہے جس کا اشارہ ایک فرمان نبوی ﷺ میں ہے کہ قیامت کے دن یہ دونوں سورتیں اپنے پڑھنے والوں (سمجھ کر پڑھنا) پر دو بدلیوں کی شکل میں سایہ فگن ہوں گی (اس لئے کہ بغیر سمجھے پڑھنے والا اکثر ان سورتوں میں وارد اللہ تعالیٰ کے احکام سے منہ موڑتا ہے اور خلاف ورزی کا مرتکب رہتا ہے۔ واللہ اعلم)

چنانچہ سورۃ صف میں جناب نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے مقصد رفیع کا ذکر ہے اور تذکرہ ہے قرآن مجید کے ہدایت کے پہلو اور دین حق کی طرف چنانچہ فرمایا!

ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون o (صف۔9)

ترجمہ: ''وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا
تاکہ اسے اور سب دینوں پر غالب کرے۔خواہ مشرکوں کو برا ہی لگے''

اس دین حق کی سربلندی کے لئے جہاد بالمال اور جہاد بالنفس کی ترغیب ہے۔سورۃ جمعہ میں جناب نبی اکرم ﷺ کی بعثت کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن پاک عطا فرمایا سابقہ امت کو بھی ایسی کتاب (تورات) دی گئی تھی اس کے طرز عمل سے واضح ہے وہ اس کتاب کے حامل ہونے کے تقاضے پورے نہیں کر رہے تو اس پر وعید آئی ہے۔

ان دو سورتوں کیساتھ متصل ہے سورۃ منافقون جو معناً یہ مقام رکھتی ہے (جیسا کہ سورۃ حدید میں اشارہ ہے) کہ جو لوگ دین کی تقاضے اور سچے مسلمان کی ذمہ داریاں ادا کرنے سے گریزاں رہتے ہیں وہ نفاق کی طرف مائل ہو جاتے ہیں اور اس نفاق سے بچنے کا طریق کیا ہے؟ کہ خود بھی اور اپنی اولاد اور متعلقین اور متوسلین کو ذکر اللہ یعنی قرآن سے دور نہ ہونے دو۔

یا ایھاالذین امنو لا تلھکم اموالکم ولا اولاد کم عن
ذکر الله و من یفعل ذٰ لك فاو لئك ھم الخٰسرونo
(المنافقون۔9)

ترجمہ: ''مومنو! تمہارا مال اور اولاد تم کو اللہ کی یاد (ذکر اللہ) سے غافل نہ
کردے اور جو ایسا کرے گا تو وہ لوگ خسارہ اٹھانے والے ہیں''

یہاں ذکر اللہ کے لفظ کے معنیٰ سورۃ جمعہ میں فاسعوا الی ذکر الله کے پس منظر میں دیکھنا صحیح ہے کہ خطاب جمعہ اور تعلم قرآن سے منہ نہ موڑا جائے ورنہ نفاق پیدا ہونے کا خطرہ ہے جیسا کہ ایک روایت میں جناب نبی اکرم ﷺ نے فرمایا!

من ترك ثلاث جمعات من غیر عذر کتب من المنافقین
(طبرانی عن اسامۃ ابن زید رضی اللہ عنہ)

''جس نے تین جمعے بغیر کسی عذر کے چھوڑ دیئے وہ منافقین میں سے لکھ دیا
جاتا ہے۔''

لہٰذا یہاں بھی ذکر اللہ سے مراد قرآن مجید ہی زیادہ اقرب ہے۔

بعینہ اسی طرح سورۃ مجادلہ آیت19 میں منافقین ہی کے پس منظر میں ذکراللہ کے الفاظ آئے ہیں۔جن سے مراد بھی قرآن مجید ہی ہے۔یہاں منافقین کوحزب الشیطٰن سے تعبیر کیا گیا ہے کہ وہ اس گروہ سے دلچسپی اور ہم آہنگی رکھنے کے سبب انہیں میں شامل ہیں۔

سورۃ نور آیت 37 میں اہل ایمان کی شان میں جو الفاظ آئے ہیں وہ مولانا شبیر احمد عثمانی کی تشریح سورۃ جمعہ آخری آیت کے مطابق ہے،ہی تذکرہ ان صحابہ کرام رضون اللہ علیہم کا جو کسی وجہ سے خطبہ جمعہ سے اٹھ کر چلے گئے تھے۔

سورۃ حدید آیت 16 میں قیامت کے دن اہل ایمان کے جنت میں کامیابی سے داخلے اور منافقین کے محروم رہنے اور کفار کے ساتھ انجام بد میں شریک ہوکر جہنم میں داخلے کا ذکر وضاحت کے ساتھ ہے۔اب اس ''مرض'' سے بچاؤ کی تدبیر اور علاج کی صورت ''توبہ'' کی صورت ہے کہ تمہارے دل اب بھی رجوع کریں توبہ کریں اور دیگر اہل ایمان کی طرح اللہ تعالیٰ نے جو آیات بیّنات (قرآن مجید یا ذکراللہ) اتارا ہے اس کے مندرجات کی طرف آ کر آمادۂ عمل ہو جائیں تو تمہارے لئے بھی اعلیٰ درجات کے دروازے کھلے ہیں۔

اسی طرح سورۃ مائدہ آیت 91 میں شراب اور جوئے کی حرمت اور دیگر احکام الٰہیہ اور حدود اللہ کے پس منظر میں فرماتے ہیں کہ اے اہل ایمان تم گھبراؤ نہیں یہ شیطان تمہیں ان فضولیات (شراب جواء وغیرہ) میں لگا کر اللہ کے کلام اور نماز اور دیگر احکام خداوندی سے روکنا چاہتا ہے۔لہٰذا تمہیں اس روش سے باز آنا چاہئے اور قرآن سے تمسک واعتصام کر کے منکرات سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

سورۃ عنکبوت 21واں پارہ میں ''ولذکر الله اکبر'' فرما کر اس ترکیب کو سب سے زیادہ بارعب، باوقار اور ہیبت اور دبدبہ دلانے والی ترکیب بنا دیا ہے۔

چنانچہ اوپر مثالوں سے جو بات واضح ہے اور القرآن یفسر بعضه بعضا کے

مصداق قرآن پاک میں وہ تمام مقامات جہاں ذکراللہ یا الذکر، ذکری، ذکرنا کے الفاظ وارد ہیں ان مقامات پر ذکراللہ سے مراد کلام اللہ، وحی الٰہی یا قرآن مجید یا کتاب اللہ ہی زیادہ فصیح و بلیغ ہیں ۔اوراس سے معانی میں زیادہ ربط اور بیان میں زیادہ فصاحت اور تاثیر کے اعتبار سے بلاغت کا حق ادا ہوسکتا ہے۔ واللہ اعلم

سورۃ طٰہٰ میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق اور زمین پر تشریف آوری کا تذکرہ فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ہدایت انسانی کے لئے آسمانی ہدایت اور ''وحی'' کا تذکرہ فرمایا ہے۔

فاما یاتینکم منی ھدی فمن اتبع ھدای فلایضل ولا یشقیٰo
ومن اعرض عن ذکری فان له معیشة ضنکاو نحشرہ یوم
القیامة اعمی o (طٰہٰ 124-123)

پھر اگر میری طرف سے تمہارے پاس ہدایت آئے تو جو شخص میری ہدایت کی پیروی کرے گا وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ تکلیف میں پڑے گا۔'' اور جو میری نصیحت سے منہ پھیرے گا اس کی زندگی تنگ ہوجائے گی اور قیامت کو ہم اسے اندھا کرکے اٹھائیں گے۔''

اوراس وحی (سابقہ کتب سماوی اور قرآن سمیت سب) کو''ذکرِی'' میرا ذکر فرمایا ہے اور ذکر کا اشارہ ''ھدیٰ'' کی طرف ہے۔

یہاں تک گفتگو میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ ذکراللہ سے مراد قرآن مجید ہے اسی طرح قرآن پاک میں سورۃ رعد کی ایک ہی آیت میں دو دفعہ ''ذکر الله'' کی ترکیب آئی ہے۔ فرمایا!

ویقول الذین کفروا لولا انزل علیه اٰیة من ربه قل ان
الله یضل من یشاء و یھدی الیه من اناب o الذین اٰمنوا
وتطمئن قلوبھم بذکر الله الابذکرالله تطمئن القلوبo

(رعد 27-28)

تفسیر عثمانی کا ترجمہ یہ ہے!

''اور کہتے ہیں۔ کافر کیوں نہ اتری اس پر کوئی نشانی اس کے رب سے کہہ دے۔ اللہ گمراہ کرتا ہے جس کو چاہے اور راہ دکھلاتا ہے۔ اپنی طرف اس کو جو رجوع ہوا وہ لوگ جو ایمان لائے اور چین پاتے ہیں ان کے دل اللہ کی یاد (ذکراللہ) سے، سنتا ہے! اللہ کی یاد (ذکراللہ) ہی سے چین پاتے ہیں دل''

اس آیت کی تشریح میں تفسیر عثمانی میں مولانا شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں۔ ''یہ خدا کی طرف رجوع ہونے والوں کا بیان ہوا۔ یعنی ان کو دولت ایمان نصیب ہوتی ہے اور ذکراللہ (خدا کی یاد) سے چین و اطمینان حاصل کرتے ہیں کیونکہ سب سے بڑا ذکر تو قرآن مجید ہے۔ انا نحن نزلنا الذکر و انا له لحافظون (حجر) جسے پڑھ کر ان کے دلوں میں یقین کی کیفیت پیدا ہوتی ہے شبہات اور وساوس شیطانیہ دور ہو کر سکون و اطمینان میسر آتا ہے ایک طرف اگر حق تعالیٰ کی عظمت و مہابت دلوں میں خوف وخشیت پیدا کرتی ہے تو دوسری طرف لامحدود رحمت و مغفرت کا ذکر قلبی سکون و راحت کا سامان بہم پہنچاتا ہے۔ غرض ان کا دل ہر طرف سے ٹوٹ کر ایک خدا کی طرف جم جاتا ہے اور ذکراللہ کا نور ان کے قلوب سے ہر طرح کی دنیوی وحشت اور گھبراہٹ دور کر دیتا ہے''۔

تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ترجمہ یہ ہے!

''جو لوگ ایمان لائے (محمد ﷺ پر اور قرآن پر) اور ان کے دل مطمئن ہوتے ہیں (اور راضی ہوتے ہیں اور سکون پاتے ہیں) اللہ کی یاد سے (قرآن سے اور کہا جاتا ہے اللہ کی قسم کھا لینے سے) باخبر رہو کہ اللہ ہی کی یاد سے دل مطمئن ہوتے ہے (یعنی دل سکون حاصل کرتے ہیں اور راضی رہتے ہیں)''۔

اطمینان قلب کے لئے ''ذکراللہ'' قرآن مجید ہے چنانچہ اگلی آیت میں ایسے ہی لوگوں کے لئے جنت اور نہایت اعلیٰ بدلے کا ذکر ہے جو قرآن پاک یعنی ذکراللہ سے تمسک کرتے ہیں اور واعتصموا بحبل الله جمیعاً پر عمل کرتے ہیں۔

الذین اٰمنوا وعملواالصّٰلحٰت طوبٰی لھم وحسن ماٰبo
(رعد29)
ترجمہ: یعنی جولوگ ایمان لائے اورعمل نیک کئے ان کے لئے خوشحالی اور عمدہ ٹھکانا ہے“

اوراہل مکہ اور دیگراقوام عالم جوامت دعوت کے مقام پر تھے ان کے لئے تنبیہ فرمائی اورقرآن پاک ہی کی تعلیم وتعلم اورتمسک اوراعتصام کا اشارہ فرمایا ہے۔

کذٰلك ارسلنا ك فی امة قد خلت من قبلھا امم لتتلوا علیھم الذی اوحینا الیك و ھم یکفرون بالرحمٰن قل ھو ربی لااله الاھو علیه توکلت و الیه متابo(رعد30)

ترجمہ: ”(جس طرح ہم اورپیغمبر بھیجتے رہے ہیں)اسی طرح (اے محمدؐ) ہم نے تم کواس امت میں جس سے پہلے بہت سی امتیں گزرچکی ہیں۔ بھیجا تا کہ تم ان کووہ (کتاب) جوہم نے تمہاری طرف بھیجی ہے پڑھ کر سنادو۔اوریہ لوگ رحمٰن کونہیں مانتے کہہ دووہی تو میراپروردگار ہے۔اس کے سوا کوئی معبودنہیں میں اسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اوراسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔“

سورۃ کہف میں اور زیادہ وضاحت کے ساتھ اور کھلے الفاظ میں ذکر اللہ اور ”ذکری“ کے بعد ”ذکرنا“ کے الفاظ وارد ہیں۔

فرمایا!

واتل ما اوحی الیك من کتاب ربك لامبدل لکلمته ولن تجد من دونه ملتحدا o و اصبرنفسك مع الذین یدعون ربھم بالغدٰ وۃ والعشی یریدون وجھه ولا تعد عینٰك عنھم ترید زینة الحیٰوۃ الدنیا ولا تطع من اغفلنا قلبه عن ذکرنا

واتبع ھوٰہ و کان امرہ فرطا o (سورۃ کہف 27-28)

ترجمہ: ''اور اپنے پروردگار کی کتاب کو جو تمہارے پاس بھیجی جاتی ہے پڑھتے رہا کرو۔اس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں اور اس کے سوا تم کہیں پناہ بھی نہیں پاؤ گے اور جو لوگ صبح وشام اپنے پروردگار کو پکارتے اور اس کی خوشنودی کے طالب ہیں ان کے ساتھ صبر کرتے رہو اور تمہاری نگاہیں ان میں سے (گزر کر اور طرف) نہ دوڑیں کہ تم آسائش زندگانی دنیا کے خواستگار ہو جاؤ جس شخص کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور وہ اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے اور اس کا کام حد سے بڑھ گیا ہے اس کا کہنا نہ ماننا۔''

اللہ تعالیٰ نے یہاں ''تلاوت کتاب'' کو ہی ''ذکرنا'' کہہ کر یہ بات واضح فرمادی کہ آپ ﷺ خود بھی قرآن پاک کی تلاوت فرمائیں اپنے صحابہ رضوان اللہ عنہم کو بھی یہی سکھائیں اور انہیں اس قرآن پاک کے ساتھ تذکیر اور غور وفکر کا حکم دیں اور ان کی نگرانی فرمائیں اور اس مصروفیت سے آپ کی نگاہیں کہیں اور نہ اٹھیں اور جو لوگ اس قرآن مجید (ذکرنا) کو قبول کرکے کی تلاوت سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کے ساتھ آگے پھیلانے سے گریزاں ہیں ان کی باتوں میں نہ آئیں۔

اوپر درج کردہ آیات اور اس کے تفسیری اقتباسات سے واضح ہے کہ الذکر، ذکرنا، ذکری اور ذکراللہ سے اصلاً مراد قرآن مجید ہے اس کے بعد ادعیہ مسنونہ وماثورہ ہیں اور پھر اذکار مسنونہ و ماثورہ ہیں کسی ماہر معالج کے بتائے نسخہ پر عمل کرنے کی طرح کسی روحانی معالج کے بتائے اذکار واشغال بھی اپنی جگہ اہمیت کے حامل ہیں۔ ہر چیز کو اپنے مقام اور محل پر رکھنا ہی حکمت اور عقلمندی ہے۔

''ذکراللہ'' کی ترکیب قرآن پاک میں زیادہ اہتمام ظاہری کے ساتھ جس مقام پر استعمال ہوئی ہے وہ سورۃ زمر میں تیسویں پارے کے بالکل اختتام پر ہے۔

اس جگہ پس منظر میں قرآن پاک اور کلام اللہ کی شان ارفع کا تذکرہ ہے اور اہل کلمہ کو

فرمایا یہ جارہا ہے کہ یہ کلام اللہ ایسا کلام ہے کہ اگر تمہارے دلوں میں ذرا بھی حق کی رمق ہو تو تمہیں اس ''احسن الحدیث'' کے سامنے موم ہو جانا چاہیئے چنانچہ دو دفعہ ''ذکر اللہ'' کی ترکیب قریب قریب آتی ہے۔

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰہ صدرہ لِلْاِسْلَامِ فھو علی نور من ربه فویل لِّلْقَاسِیَةِ قلوبھم من ذکر اللہ اولٰئك فی ضلٰل مبین o الله نزل احسن الحدیث کتٰبًا متشابھًا مثانی تقشعرّ منه جلود الذین یخشون ربھم ثم تلین جلود ھم و قلوبھم الی ذکر الله ذٰلك ھدی الله یھدی به من یشاء و من یضلل الله فماله من ھاد o (زمر۔22-23)

''بھلا جس شخص کا سینہ اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا ہو اور وہ اپنے پروردگار کی طرف سے روشنی پر ہو (تو کیا وہ سخت دل کافر کی طرح ہو سکتا ہے) پس ان پر افسوس ہے۔ جن کے دل اللہ کی یاد سے سخت ہو رہے ہیں۔ اور یہی لوگ صریح گمراہی میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے نہایت اچھی باتیں نازل فرمائی ہیں (یعنی) کتاب (جس کی آیتیں باہم) ملتی جلتی ہیں اور دہرائی جاتی ہیں جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں ان کے بدن کے (اس سے) رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پھر ان کے بدن اور دل نرم ہو کر اللہ کی یاد کی طرف (متوجہ) ہو جاتے ہیں یہی اللہ کی ہدایت ہے وہ اس سے جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جس کو اللہ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں''۔

یہاں پھر ذکر اللہ سے مراد واضح قرائن کی روشنی میں ''کتاب اللہ'' اور قرآن مجید ہی ہے اس لئے کہ سیاق کلام میں خطاب عام ہے اور کفار سے خطاب میں ''ذکر اللہ'' کا اشارہ ''وحی الٰہی'' زیادہ بلیغ ہے ہمارے ہاں کے مروجہ ذکر الٰہی سے ''ذکر اللہ'' کے حوالے سے اطمینان قلب اور غموں اور پریشانیوں کو دور کرنے والا قرآن مجید منبع ایمان اور سرچشمہ یقین ہے لہٰذا قرآن پاک سے ایمان پیدا ہوتا ہے سورۃ الانفال میں ہے اہل ایمان جب قرآن پاک کو توجہ سے سنتے ہیں

(سمجھتے ہیں عمل کرنے کا جذبہ رکھتے ہیں) تو ان کے ایمان میں اضافہ ہو جاتا ہے گویا قرآن پاک سے تمسک اور اس کے علم کا حصول اور اس کے اندر ہدایت پر غور وفکر سے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے اور ایمان میں اضافہ غموں اور پریشانی کے خرمن کو بھسم کر کے رکھ دیتا ہے چنانچہ قرآن مجید میں اہل کی شان کئی جگہ یہی بیان ہوئی ہے کہ!

لا خوف عليهم ولا هم يحزنون۔

''نہ ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہونگے''۔

گویا سورۃ رعد کی آیات میں ذکر اللہ سے اشتغال اور ایمان کے نتیجے میں خوف، حزن، ملال، رنج وغم ہر چیز کا ظاہری اور معنوی خاتمہ ہو جاتا ہے اس میں قدر مشترک کلام پاک اور وحی الٰہی ہے۔

ضمیمہ: فرمان رسالت ﷺ میں غموں اور پریشانیوں سے نجات کے ضمن میں دو ہدایات

اس ضمن میں جناب نبی اکرم ﷺ نے نہایت وضاحت وصراحت فرما دی ہے۔

ایک حدیث میں فرمایا!

من جعل الهموم هما واحداً هم آخرته كفاه الله هم دنياه
ومن تشعّبت به الهموم فى احوال الدنيا لم يبال الله فى اىّ
او ديتها هلك (ابن ماجہ عن عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ)

''جو شخص سارے غموں کو ایک ہی غم یعنی آخرت کا غم بنا لے اللہ اس کے دنیاوی غم کے لئے کافی ہو جاتا ہے اور جس شخص کو افکار دنیا کے حالات میں بکھیر دیں اس کی اللہ تعالیٰ پرواہ نہیں کرتے کہ کس وادی میں ہلاک ہو''۔

گویا آخرت کو ترجیح دے دینا اور صرف آخرت کے پیش نظر دنیاوی مشغولات اور مالی معاملات کو حلال کے حدود کے اندر لے آنا انسان کو پریشانیوں سے نجات دلانے والا ہے اور اللہ

تعالیٰ اس کے معاملات کو سمیٹ دیتا ہے۔

اسی طرح دوسری حدیث جو ایک شاندار دعا ہے اس میں جناب نبی اکرم ﷺ نے اللہ کی بے حد تعریف اور اپنی بے بضاعتی کا تذکرہ کر کے اللہ تعالیٰ سے قرآن مجید سے ایسے لگاؤ اور محبت (بمعنی عمر اور صلاحیت کے لحاظ سے اس کتاب کو سمجھنے اور سیکھنے کی عمر میں ہیں)۔ کی استدعا کی ہے جو کہ تمام غموں اور پریشانیوں کے ازالے کا سبب بن جائے۔

اللهم انی عبدك

اے اللہ میں تیرا بندہ ہوں

وابن عبدك وابن امتك

تیرے ایک ناچیز غلام اور ادنیٰ کنیز کا بیٹا ہوں

فی قبضتك ناصیتی بیدك

مجھ پر تیرا ہی کامل اختیار ہے اور میری پیشانی تیرے ہی ہاتھ میں ہے

ماض فی حكمك عدل فی قضا ئك

نافذ ہے میرے بارے میں تیرا ہر حکم اور عدل ہے میرے معاملے میں تیرا ہر فیصلہ

اسئلك

میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں

بكل اسم هو لك سميت به نفسك

تیرے ہر اس پاک نام کے واسطے سے جس سے تو نے اپنی ذات مقدس کو موسوم فرمایا

او علمته احد من خلقك او انزلته فی كتابك

یا اپنی مخلوق میں سے کسی کو تلقین فرمایا یا اپنی کسی کتاب میں نازل فرمایا

او استأ ثرت به فی مكنون الغيب عندك

یا اسے اپنے مخصوص خزانہ غیب ہی میں محفوظ رکھا

ان تجعل القرآن

کہ تو بنادے قرآن مجید کو

ربیع قلب و نور صدری

میرے دل کی بہار اور میرے سینے کا نور

وجلاء حزنی و ذھاب ھمی و غمی

اور میرے رنج وحزن کی جلا اور میرے تفکرات اور غموں کے ازالے کا سبب

(اٰمین یا رب العٰلمین)

ایسا ہی ہوائے تمام جہانوں کے پروردگار!

(عبداللہؓ ابن مسعود مسند احمد: حوالہ 4306/452)

گویا عظیم ماثور دعا میں بھی اطمینان قلب اور غموں کے ازالے کا سب سے بڑا ہتھیار قرآن پاک ہی قرار دیا گیا۔

انسان کے صحیح راستے پر چلنے اور صراط مستقیم پر استقامت کی راہ میں ایک دشمن شیطان حائل ہے وہ انسان سے کچھ غلطیاں ، نافرمانیاں کرا کر انسان کے لئے اپنے رب کے سامنے شرمندہ اور پشیمان ہونے کے مواقع پیدا کرتا رہتا ہے۔اس شیطان سے بچاؤ کے لئے بھی قرآن مجید کا علم سیکھنا اور آگے سکھانا اور حقوق قرآن کا ادا کرنا ہی واحد ذریعہ ہوسکتے ہیں۔

کشتن ابلیس کارے مشکل است زاں کہ اوگم اندر اعماق دل است

خوش تر آں باشد مسلمانش کنی کشتۂ شمشیر قرآنش کنی

ابلیس کو ہلاک کر دینا مشکل (ناممکن ہے) ہے کہ وہ انسان کے باطن کی گہرائیوں میں بھی چھپا ہوا ہے۔بہتر یہ ہے کہ اس کو اپنے تابع کرلو یعنی قرآن مجید کی شمشیر سے اس کو گھائل اور زخمی کردو (کہ وہ اس کلام پاک کا۔توڑ نہیں کرسکتا)۔

کلام پاک میں اسے جہاد بالقرآن ''وجاھد ھم بہ جھادا کبیرا ''فرمایا گیا ہے یعنی جہاد کبیر۔سبحان اللہ کیا عالی شان ہے رب کائنات اور کیا عالی شان ہے اس کے کلام کی۔

شہادت گہِ الفت میں پیش قدمی، مشکلات لا الہٰ کا ادراک

مقام رسالت علی صاحبھا الصلوٰۃ والتسلیم کا عکس جمیل

معاشرے میں موجودہ مقاصد اور اسلامی قدروں کی نگہبانی

یا دم توڑتی سنتوں کا احیاء وفروغ یعنی

مقام شہادت

شہادت اور شہداء کا لفظ ہمارے دین کی بہت ہی بنیادی اصطلاحات ہیں۔ دونوں الفاظ کے معانی ''گواہی'' کے ہیں۔ شہید صفت مشبّہ ہے اور ''مستقل گواہی'' اور اپنے وجود سے ''گواہی'' کے معنی دیتا ہے قرآن مجید میں شہید کا لفظ اللہ تعالیٰ کیلئے آیا ہے جس کے معنی گواہ کے ہیں۔ گواہی سے موجودگی کا تصور ناگزیر ہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے موجودگی سے پھر مدد اور نصرت کا مفہوم نکلتا ہے۔ یعنی جو موجود ہے اور دوسرے کو مدد کی ضرورت ہے اور وہ مدد کرنے پر قادر بھی ہے تو پھر اسے ضرور مدد کرنا چاہئے۔ اس معنیٰ میں بھی شہید اور شہداء کا لفظ کئی مقامات پر آیا ہے۔

اہل کتاب کے ضمن میں تورات پر عمل درآمد اور اس کی حفاظت کے لئے نبی اسرائیل کے بارے میں ''وکانوا علیه شهداء '' کے الفاظ وارد ہیں۔ اس معنےٰ میں امت مسلمہ پر بھی دین حق کے لئے مستقل مزاجی سے ڈٹے رہنا اور دین کے معاملات کا گواہ رہنا دینی تقاضا ہے چنانچہ سورۃ نساء اور مائدہ میں ذرا سے لفظی فرق کے ساتھ کونوا قوامین شهداء لله کے الفاظ ہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ اے اہل ایمان تم اللہ (کے دین) کے لئے گواہ اور مددگار بن کر کھڑے ہو جاؤ اور یہ حمایت ہر حال میں ہو چاہے کسی اپنے یا پرائے کے خلاف ہی یہ گواہی نہ دینی پڑے۔

گویا ____ انبیاء کرام علیہم السلام، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور صلحائے امت رحمہم اللہ کا کردار یہ رہا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دین کی نصرت اور انبیاء کرام کی طریقے کی حفاظت کے لئے ہر قیمت پر اور ہر حال میں کمر بستہ رہیں۔ سورۃ النساء اور سورۃ مائدہ کی آیات میں ''قوام'' اور شہید بمعنی کسی بات پر قائم رہنا، گواہ رہنا اور ڈٹ جانا کے معنی میں وارد ہے اور یہ آپس میں بہت قریب

المعنی ہیں اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ’’ قوامین بالقسط‘‘ اور شہیداء للہ کو دوسری جگہ ’’ قوامین للہ‘‘ اور’’ شہداء بالقسط‘‘ کے الفاظ سے بدل دیا گویا حقوق اللہ اور حقوق العباد کے لئے اہل ایمان کو ذمہ دار بنایا گیا ہے انہیں خود بھی ان باتوں پر پورا پورا کار بند رہنا چاہیئے اور اسی کا علمبردار بن کر اور نگران بن کر سامنے آنا چاہیئے کہ احکام خداوندی پر عمل درآمد ہوتا رہے۔

یہ گواہی خود دین پر چل کر دوسروں کے لئے نمونہ بننے کی کوشش کا نام ہے۔ حضرت محمد ﷺ کے ہر امتی کو اس جذبے اور فیصلے کے ساتھ زندگی بسر کرنا ہے کہ اسے ہر حال میں دین پر چلنا ہے شادی ہو، خوشی ہو، غمی ہو، کاروبار ہو، دفتر کے معاملات یا کھیتی باڑی کے، سیاست ہو یا برادری کا معاملہ، دین کو مقدم رکھتا ہے۔ چاہے کوئی راضی رہے یا ناراض ہو۔ دوسروں کو ساتھ لیکر چلنے کی کوشش کریں گے گھر والے، برادری والے، اہل محلّہ اور دیگر مسلمان احباب مگر کسی کی ناراضگی کے ڈر سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ناراض نہیں کریں گے جو آدمی اس فیصلے پر زندگی گزار رہا ہے وہ چلتا پھرتا دین کا نمونہ اور گواہ ہے اس کی زندگی اس بات کی طرف خاموش تبلیغ اور دعوت ہوگی کہ اس دور میں بھی دین پر عمل کیا جا سکتا ہے اور زندگی گزاری جا سکتی ہے اس خاموش مبلغ کا یہ فیصلہ بھی ضروری ہے کہ دوسروں کو لڑائی بھڑائی کی ضرورت نہیں مگر اپنی ذات کی حد تک یہ طے ہو کہ کبھی ایسا موقع آ جائے کہ ’’ جان بچانے‘‘ اور ’’ دین بچانے‘‘ میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا پڑے تو یہ پہلے سے طے ہو کہ دین بچاؤں گا جان نہیں بچاؤں گا۔

ایسا ’’جوان مرد‘‘ انسان اور سچا امتی چلتا پھرتا شہید اور دین کا گواہ ہے ایسے آدمی کو چاہے جس حال میں موت آئے گھر پر، دفتر میں، سڑک پر، طبعی موت ہو یا بیماری میں ایسا انسان شہید ہے مرد ہو یا عورت دونوں کو شہادت کا درجہ ملے گا۔ شہادت کے درجے ہیں۔ اعلیٰ درجے کی شہادت تو یقیناً میدان جنگ میں بالا رادہ جا کر دشمنوں کے مقابلے میں جان دے دینا ہے مگر موت تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے دل میں سچا جذبہ شہادت ہو اور موت کہیں بھی آ جائے تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اسے عام شہادت کی موت کا درجہ دے دیں گے۔

ہمارے محبوب حضرت محمد ﷺ نے اس بات کی وضاحت اپنے بہت سارے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذریعے فرما دی ہے شرط صرف دین پر ہر حال میں خود چلنے کا فیصلہ کر لینا ہے اور دوسروں

کے لئے نمونہ بننا اور مثال بننے کا راستہ اختیار کرنا ہے تاکہ دوسروں کو بھی دین پر چلنے کا حوصلہ ہو اور آسانی ہو انجام چاہے کسی طرح پر ہو اللہ تعالیٰ اس شخص کو اپنے دین کا گواہ شمار کریں گے۔

آیئے لسان رسالت ﷺ سے شہادت کے بارے میں چند بیش قیمت فرمودات سنتے ہیں

☆ ایک فرمان رسالت ﷺ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

الشهداء خمسة

شہید پانچ (قسم کے) ہیں

المطعون و المبطون

جو طاعون (وباء) کی وجہ سے مرجائے اور جو پیٹ کی تکلیف میں مرجائے

والغريق و صاحب الهدم

اور جو ڈوب جائے اور جو (دیوار، چھت وغیرہ کے نیچے) دب کر مرجائے

والشهيد فى سبيل الله

اور جو اللہ کے راستے میں شہید ہو جائے

(متفق علیہ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ)

یقیناً مقتول فی سبیل اللہ درجے میں سب سے بلند ہے۔

☆ اللہ کے دین پر چلنے کا فیصلہ کر لینا بڑا مبارک فیصلہ ہے اور لامحالہ انسان کو ایک دن مرنا تو ہے چاہے کوئی عام انسان ہو اور چاہے مسلمان ہو کر بھی اس نے دین پر چلنے کا فیصلہ نہ کیا ہو تب بھی ___ مگر جو انسان یہ فیصلہ کرلے گا اس کے لئے اللہ تعالیٰ موت کی تکلیف کو قابل برداشت بنادے گا اور اس کو احساس بھی نہیں ہوگا۔

چنانچہ فرمایا ہمارے پیغمبر ﷺ نے روایت ہے حضرت ابو ہریرہؓ کی۔

الشهيد لايجد مسّ القتل

شہید قتل کی ضرب کو صرف اتنا سا محسوس کرتا ہے

الا كما يجد احد كم القرصة يقرصها

جتنا کہ تم میں سے کوئی قرصہ (مچھر کی مانند ایک جانور) کے کاٹنے کو محسوس کرتا ہے

(نسائی عن ابی هريرةؓ)

الشهيد لا يجد ألم القتل

شہید قتل کے درد کو صرف اتنا سا محسوس کرتا ہے

الّا كما يجد احد كم القرصة

جتنا کہ تم میں کوئی قُرصہ کے کاٹنے کو محسوس کرتا ہے

(طبراني في الا وسط عن ابی قتاده)

نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کامل ترین انسان اور کامل واکمل نبی اور رسول علیہ السلام تھے۔ایک دانا اور حکیم انسان کی طرح انسانوں سے معاملات کرنا اور ان سے گفتگو کرنا ان کے اخلاق کریمانہ کا حصہ ہے۔عربی محاورہ كلموا الناس على قدر عقولهم (لوگوں کے ساتھ ان کی عقلوں کے مطابق بات کرو) کے مصداق جناب رسالت مآب ﷺ مختلف مواقع پر حاضرین کے اختلاف کی وجہ سے گفتگو کو مختصر یا لمبا فرما دیتے تھے اسی کا مظہر یہ فرمان مبارک بھی ہے روایت ہے حضرت جابر بن عتیک رضی اللہ عنہ کی،خیالات عالیہ مقدسہ ہیں ہمارے پیغمبر ﷺ کے،ارشاد ہے:۔

الشهادة سبع سوى القتل في سبيل الله

شہادت قتل فی سبیل اللہ کے علاوہ سات (قسم کی) ہے

المقتول في سبيل الله شهيد

جو اللہ کے راستے میں قتل کر دیا جائے وہ شہید ہے

المطعون شهيد و الغريق شهيد

جو طاعون (وباء) میں مرجائے وہ شہید ہے اور جو ڈوب کر مرجائے وہ شہید ہے

وصاحب ذات الجنب شهيد

جو ذات الجنب (نمونیہ) کی بیماری سے مرجائے وہ شہید

والمبطون شهيد

جو پیٹ کی تکلیف سے مرجائے وہ شہید ہے

وصاحب الحریق شهید

جو آگ میں جل کر مرجائے وہ شہید ہے

والذی یموت تحت الهدم شهید

اور جو شخص (دیوار یا چھت وغیرہ) کے نیچے دب کر مرجائے وہ شہید ہے

والمراۃ تموت بجمع شهید

اور جو عورت ازدواجی تعلقات کے نتیجے میں مرجائے وہ شہید ہے

(رواہ ابوداود، نسائی، ابن ماجہ عن جابر بن عتیک رضی اللہ عنہ)

ایک اور فرمان رسالت میں اس بات کو اور مزید عام فرما دیا کہ ایک امتی دین کا گواہ بن کر زندگی کے تمام پہلوؤں میں دین کا نمونہ بن کر زندگی گزار رہا ہے۔ اس کو جس ممکن طریقے سے آخری وقت نصیب ہو (سوائے خودکشی کے) وہ شہادت کے مقام پر ہے اور شہید ہی کہلائے گا اگرچہ درجے کا فرق ہوگا۔

چنانچہ فرمایا رسالت مآب ﷺ نے! حیدر کرار حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا!

الغريقُ شهيدُ و الحريقُ شهيدُ

جو ڈوب کر مرجائے وہ شہید ہے اور جو جل کر مرجائے وہ شہید ہے

والغريبُ شهيدُ و الملدوغُ شهيدُ

اور مسافر (اجنبی) مرجائے وہ شہید ہے اور جو جانور کے ڈسنے سے مرجائے وہ شہید ہے

والمبطونُ شهيد و من يقع عليه البيتُ فهو شهيدُ

اور جو پیٹ کی تکلیف میں مرجائے وہ شہید ہے اور جس پر مکان گرجائے وہ شہید ہے

ومن يقع عليه البيت فتندقّ رجله اوعنقه فيموت فهو شهيدُ

اور جس پر مکان گرا کہ اس کی ٹانگ یا گردن ٹوٹ گئی اور وہ مر گیا تو وہ شہید ہے

ومن تقعُ علیه الصخرۃُ فهو شهیدُ

اور جو پتھر کی چٹان گرنے سے مر جائے وہ شہید ہے

والغیریٰ علی زوجها کالمجاهد فی سبیل الله فلها اجرُ شهیدِ

اور اپنے شوہر پر غیرت کھانے والی عورت اللہ کے راستے میں جہاد کرنیوالے کی طرح ہے

(وہ جان دے دے) تو اس کے لئے شہید کا اجر ہے

ومن قتل دون ماله فهو شهیدُ

اور جو اپنے مال کی حفاظت میں قتل ہو جائے وہ شہید ہے

ومن قتل دون نفسه فهو شهیدُ

اور جو اپنی جان کی حفاظت قتل ہو جائے وہ شہید ہے

ومن قتل دون اخیه فهو شهیدُ

جو اپنے بھائی کی حفاظت میں قتل ہو جائے وہ شہید ہے

ومن قتل دون جاره فهو شهیدُ

اور جو اپنے پڑوسی کی حفاظت میں قتل ہو جائے وہ شہید ہے

والآمر بالمعروف

اور نیکی کا امر کرنے والا

والناهی عن المنکر شهیدُ

اور برائی سے روکنے والا شہید ہے

(ابن عساکر حدیث صحیح)

اس حدیث میں خاص بات یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والا اگر اسی وجہ سے قتل کر دیا جائے گا تو وہ بھی شہادت ہی کا درجہ پائے گا۔ گویا زندگی میں ایک سچے مسلمان کی زندگی کا نمونہ بننے کے لئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی ضروری ہے۔

ذرا غور فرمائیں امر بالمعروف میں عام طور پر مشکلات اور مصائب نہیں آتے جبکہ نہی عن

المنکر پر مصیبتیں اور مخالفتیں زیادہ آتی ہیں۔لہٰذا شہادت حق کے لئے ’’نہی عن المنکر ‘‘ کا فریضہ ادا کرنا ضروری ہے اور منصب شہادت کیلئے گھر میں رہتے ہوئے حصول مقام شہادت کا آسان نسخہ ہے۔

جہاں تک مقتول فی سبیل اللہ کے اعلیٰ وارفع درجے کا ذکر ہے اس کے تو کیا ہی کہنے۔ جناب رسول اکرم ﷺ نے اس کی بے حد توضیح فرمائی ہے۔اور اس میں خلوص نیت کو بہت واضح فرمایا ہے۔ روایت امیر المومنین ہے ۔حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے اور حوالہ ہے ۔ مسند احمد اور سنن ترمذی کا۔

الشهداء اربعة

شہداء چار ہیں

رجل مؤمن جيد الايمان لقى العدو

(پہلا) وہ اچھے ایمان والا مرد مؤمن جس کا دشمن سے مقابلہ ہوا

فصدق الله حتى قتل

اور اس نے اللہ کی تصدیق کی یہاں تک کہ شہید ہو گیا،

فذٰلك الذى يرفع الناس اليه اعينهم يوم القيامةهٰكذا

یہ ایسا بلند مرتبہ ہے کہ لوگ اس کی طرف قیامت کے دن آنکھیں اٹھائیں گے اس طرح۔

ورجل مؤمن جيد الايمان لقى العدو

اور وہ مرد مؤمن اچھے ایمان والا جس کا دشمن سے مقابلہ ہوا

فكانّما ضرب جلده بشوك طلح من الجبن

درانحالیکہ بزدلی کی وجہ سے وہ ایسے تھا جیسے کہ کسی نے اس کی جلد میں کیکر کا کانٹا چبھو دیا ہے

آتاه سهم غرب فقتله

اچانک غیب سے کوئی تیر آ کر اس کو لگا جس نے اس کو شہید کر دیا

فهو فى الدرجة الثانية

یہ شخص دوسرے درجہ میں ہے

ورجل مؤمن خلط عملاً صالحاًو آخر سيّئاً

اور وہ مؤمن کہ اس نے کچھ نیک کام کئے اور کچھ برے کام بھی کئے

لقی العدوّ فصدق اللّٰه حتی قتل

اس کا دشمن سے مقابلہ ہوا اور اس نے اللہ کی تصدیق یہاں تک کہ وہ شہید کر دیا گیا

فذاك فی الدرجة الثالثة

یہ تیسرے درجہ میں ہے

ورجل مؤمن اسرف علی نفسه

اور وہ مرد مؤمن جس نے اپنے جان پر اسراف کیا (یعنی بہت گنہگار تھا)

لقی العدو فصدق اللّٰه حتی قتل

اس کا دشمن سے مقابلہ ہوا اور اس نے اللہ کی تصدیق کی یہاں تک کہ وہ شہید ہو گیا

فذاك فی الدرجة الرابعة

یہ چوتھے درجہ میں ہے

(رواہ احمد والترمذی عن عمر رضی اللہ عنہ)

ایک دوسری روایت طبرانی میں حضرت نعیم بن ھبار رضی اللہ عنہ سے ہے

الشهداء الذین یقاتلون فی سبیل اللّٰه

شہادت کا مقام حاصل کرنے والے وہ لوگ ہیں جو اللہ کے راستے میں

فی الصف الاوّل ولا یلتفتون بوجوههم حتّٰی یقتلوا

پہلی صف میں قتال کرتے ہیں اور وہ اپنا منہ نہیں پھیرتے یہاں تک کہ قتل کر دیئے جائیں

فاولئك یلفون فی الغرف العلٰی من الجنة

یہی لوگ جنت کے بلند و بالا خانوں میں جمع کر دیئے جائیں گے،

یضحك الیهم ربك

ان سے تیرا رب خوشی کا اظہار کرے گا

ان اللّٰه تعالٰی اذاضحك الی عبده المؤمن

بیشک جب اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندے سے خوشی کا اظہار کرے

فلا حساب علیه

تو اس بندہ پر کوئی حساب و کتاب نہیں ہے

(طبرانی فی الاوسط عن نعیم ابن ھبار)

دین پر چلنا اور زندگی کے تمام معاملات کے لئے دوسروں کیلئے نمونہ بننا اور گواہ بننا ایک سچے امتی کا فرض ہے اور اس راستے میں مرتے دم تک اسی پر قائم رہنا ضروری ہے اور مرتے ہوئے اس دین کو ہاتھ سے جانے نہ دینا کمال اطاعت اور کمال تقویٰ ہے۔شہادت کے اعلیٰ درجوں کی جستجو کرتے رہنا اور متلاشی رہنا دعائیں کرتے رہنا یہی ہمارے پاس ایک محفوظ ذریعہ ہے اور خزانہ ہے جس سے قلب پریشان کو سکون میسر رہے گا۔ چنانچہ ہماری رہنمائی اور دلجوئی کے لئے فرمایا حضرت محمد ﷺ نے (جس میں ایک تنبیہ بھی مضمر ہے کہ منافق ایسا نہیں کرتے اللہ تعالیٰ ہمیں نفاق سے بچائے آمین)

من مات ولم يغزو لم يحدث به نفسه مات على شعبة من نفاق (مسلم عن ابی ھریرہؓ)

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اس حال میں مرا کہ نہ تو اس نے کبھی جہاد کیا اور نہ اپنے جی میں اس کی تجویزیں سوچیں اور تمنا کی تو نفاق کی ایک صفت پر مرا''

مقام بندگی دیگر مقام عاشقی دیگر

زنوری سجدہ می خواہی زخاکی بیش ازاں خواہی

چناں خود را نگہداری کہ با ایں بے نیازی؟

شہادت بر وجود خود زخوں عاشقاں خواہی

قرآن فاؤنڈیشن کی جانب سے دیئے جانے والے ترجمۃ القرآن
''الکتاب''
کی تقسیم کی روح پرور تقریب کی رپورٹ

مفتی عطاء الرحمٰن

قرآن فاؤنڈیشن شارع ایوان تجارت لاہور ایسا خوش نصیب ادارہ ہے جو ہر سال انٹرمیڈیٹ کے امتحان میں فرسٹ ڈویژن حاصل کرنے والے طلبہ/طالبات میں قرآن مجید کا ترجمہ ''الکتاب'' مفت تقسیم کرتا ہے۔ گذشتہ ربع صدی سے یہ سلسلہ جاری ہے۔ اور ہزار ہا طلبہ/طالبات اس چشمہ صافی سے فیض یاب ہو چکے ہیں۔

انجمن خدام القرآن رجسٹرڈ جھنگ کے قیام سے ہی جھنگ، ٹوبہ اور لیہ کے اضلاع کے لئے'' الکتاب'' کی تقسیم کی ذمہ داری اس کے پاس ہے۔ اوراب تک ایک ہزار سے زائد طلبہ/طالبات اس سے مستفیض ہو چکے ہیں۔

یہ ترجمۃ القرآن ڈاکٹر محمد عثمان مرحوم کی ذاتی کاوشوں کا نتیجہ ہے اور علماء نے اس کے بارے میں اچھی رائے دی ہے۔ یہی ڈاکٹر عثمان صاحب قرآن فاؤنڈیشن کے بانی تھے اور عرصے تک اس کے معاملات کو چلاتے رہے۔

انجمن کے تحت گذشتہ کئی سالوں میں بڑے اہتمام سے ''الکتاب'' کی تقسیم کا سلسلہ جاری ہے امسال مشورے سے طے پایا تھا کہ وہ طلبہ/طالبات جو الکتاب کے حصول کے لئے رابطہ کریں اور مستحق ٹھہریں ان کو کسی خاص دن ایک تقریب منعقد کر کے بڑے اہتمام سے ترجمۃ القرآن کا تحفہ دیا جائے تاکہ یادگار رہے۔

اس سلسلے میں 60 طلبہ نے رابطہ کیا تھا اور اس کے لئے 21 اپریل 07ء بروز ہفتہ کا دن مقرر رہوا۔ پہلے تو قرآن فاؤنڈیشن لاہور کے جناب خاور ضیاء صاحب (فرزند ارجمند ڈاکٹر

عثمان صاحب)اور بیگ صاحب نے بھی ارادہ ظاہر کیا تھا کہ وہ اس تقریب کے لئے یہاں کا سفر اختیار کریں گے اور مہمان خصوصی کے طور پر امیر تنظیم اسلامی و مدیر ہفت روزہ ندائے خلافت و ماہنامہ میثاق لاہور جناب حافظ عاکف سعید صاحب مدظلہ تشریف لائیں گے۔

اس تقریب کے لئے مقامی اہم شخصیات اور صحافی حضرات میں بھی دعوت نامے تقسیم کئے تھے اور اس کی اطلاع اخبارات ،خبریں، ایکسپریس، جنگ میں شائع ہوگئی تھی۔ انعام حاصل کرنے والے طلباء کو بالخصوص اور دیگر طلباء کو بالعموم تقریب میں شرکت کی دعوت دی گئی تھی۔

21اپریل کا دن بڑا خوشگوار دن تھا طلباء اور مہمانان گرامی سے ہال بھرا ہوا تھا اور مہمان خصوصی بھی بروقت تشریف لے آئے تھے۔ اگر چہ قرآن فاؤنڈیشن کی طرف سے مہمان تشریف نہ لاسکے۔ اس تقریب کا قرانِ سعدین یہ تھا کہ یہ تقریب 21اپریل کو تھی جو کہ علامہ اقبال کا یوم وفات ہے اور اس پورے دن ملک میں بھی ''اقبال ڈے'' کے حوالے سے تقریبات ہوتی ہیں۔ ہمارے لئے سعادت کا پہلو صرف یہ تھا کہ نوجوانوں میں قرآن مجید کا ترجمہ الکتاب کی تقریب تقسیم تھی اور علامہ اقبال کا دن ______ جو علامہ اقبال خود اس دور کے سب سے بڑے داعی قرآن تھے اور بالخصوص نوجوانوں کو اس قرآن سے روشناس کرانے کا عزم رکھتے تھے اور اس کے لئے انہوں نے بلاشبہ بہت کام کیا۔ تقریب کے ہال میں آویزاں علامہ اقبال کے خوبصورت جلی طور پر لکھے اشعار ذہن وقلب کو بیک وقت اپنے طرف متوجہ کر رہے تھے۔ مثلاً سٹیج کے اوپر ہی یہ شعر درج تھا۔

؎ تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

دو اور اشعار جو ہال کی دیواروں پر نظر نواز ہو رہے تھے۔

؎ وقت فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نو رِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

؎ گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآں زیستن

مولانا حالی کا یہ شعر بھی بہت ہی حسب حال تھا۔

ے خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

دیگر مقررین کے علاوہ بالخصوص مہمان خصوصی حافظ عاکف سعید صاحب نے قرآن مجید کی عظمت اور اس کے تعلم و تعلیم کی اہمیت پر روشنی ڈالی اور الکتاب کے لئے ''قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند'' کے مصداق خوش نصیب طلبہ کو اس سے استفادہ کا صائب مشورہ دیا۔اس تقریب کا پیغام علامہ اقبال ہی کے بقول یہ اشعار تھے۔

ے جوانوں کو میری آہِ سحر دے
پھر ان شاہین بچوں کو بال و پر دے
خدایا آرزو میری یہی ہے
میرا نورِ بصیرت عام کر دے

کاش آج کا مخلص اور دردمند مسلم نوجوان اٹھے اور قرآن کے علم کو پہلے اپنے سینے میں سمیٹ لے اور پھر اس کو چہار دانگ میں عام کرنے والا بن جائے !۔

خوش نصیب نوجوانوں میں ''الکتاب'' کی تقسیم کا مرحلہ بخیر وخوبی انجام پایا حافظ عاکف سعید صاحب نے یہ سعادت حاصل کی اور دعا پر اس تقریب کا اختتام ہوا۔

جھنگ کی معروف علمی شخصیت پروفیسر سمیع اللہ قریشی نے تقسیم کی جانے والا ترجمۃ القرآن ''الکتاب'' کا مطالعہ کر کے اس پر اپنے تاثرات قلمبند کر کے ادارہ کو بھیجے تھے۔یہ تاثرات ایسے قیمتی اور بروقت ہیں کہ قارئین ''حکمت بالغہ'' کو اس سے محروم رکھنا'' کار خطا'' ہی شمار ہوگا۔
یہ ہیں ''الکتاب'' پر پروفیسر سمیع اللہ قریشی صاحب کے تاثرات:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیسویں صدی میں برصغیر پاک و ہند میں اردو زبان علمی اور روحانی اعتبار سے یوں بھی مالا مال ہوئی کہ اس دورانیے میں غیر معمولی طور پر اور بالکل معجزانہ انداز میں اللہ تعالیٰ کی آخری وحی قرآن مجید کے بے شمار تراجم ہمارے سامنے آئے۔ان تراجم کے عمیق مطالعہ سے مترجمین کا یہ خلوص نیت ہمارے سامنے آتا ہے کہ انہوں نے برصغیر کی اس ترقی پذیر زبان کے اس اسلوب کو اپنے سامنے رکھا جو ہر مترجم کے سامنے اس کے اپنے عہد میں اور اس عہد کی ضروریات کے پیش نظر متداول تھا۔اور یہ بات بے شک وشبہ کہی جاسکتی ہے کہ ہر شخص جس نے یہ بیڑا اٹھایا بہر حال اپنی کوشش میں کامیاب رہا۔اوران بہت سارے اسمائے گرامی میں کچھ نام بہر حال ایسے ہیں کہ جن کے تراجم کے اثرات ابھی بہت دیر تک اور بہت دور تک ہمارے ساتھ چلیں گے -----------------------------اہم اب چونکہ اردو زبان کی تحریر کے ڈھب اور اسلوب مثبت انداز میں تیزی سے بدل رہے ہیں اور یہ ترقی پذیر زبان قدم بہ قدم لوگوں کی بدلتی ہوئی اسلوبی ضروریات کو پورا کرتی چلی آرہی ہے۔

قرآن مجید کا اردو زبان میں ایک تازہ ترجمہ جو آواخر عہد بیسویں صدی میں ہوا انہی دنوں میرے مطالعہ میں آیا ہے یہ ترجمہ مرحوم ڈاکٹر محمد عثمان کی بے مثال محنت کا صلہ ہےاور سبحان اللہ کیا ہی خوب ہے ۔ انہوں نے قرآن مجید کے متن ، ترجمہ اور تفسیری تشریحات کے لئے ''الکتاب'' نام تجویز کیا ہے۔وحی قرآنی کو اللہ تعالیٰ نے آپ بھی ''کتاب مبین'' کا نام دیا ہے۔ سولہ سو (1600) سے کسی قدر زیادہ صفحات پر مشتمل اس نسخہ میں ڈاکٹر محمد عثمان صاحب نے اپنی کوشش اور سعی کا تمام تر پس منظر پیش کر دیا ہے۔رموز اوقاف کی وضاحتی تحریر اس پر مستزاد ہے۔جو قاری کے لئے تلاوت کے مرحلے کو آسان کر دیتی ہے۔ ابتدائیہ کے طور پر حضرت ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم کا ایک نہایت قیمتی اور طویل مضمون فہم قرآن کے عنوان سے شامل اشاعت ہے اور دراصل یہی وہ مضمون ہے جس میں پیش کردہ اصولوں کو بنیاد بناتے ہوئے ڈاکٹر محمد عثمان نے ترجمہ اور حواشی کے حوالے سے اپنی شاندار کوشش ہمارے سامنے رکھی ہے۔

ایک بہت ہی خاص بات جو اس نسخے کے مطالعہ سے سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ ترجمہ اس قدر آسان اور بہت حد تک بامحاورہ انداز میں کیا گیا ہے کہ خصوصاً نوجوان نسل اور طلبہ اس

سے کماحقہ فائدہ اٹھاسکیں۔صرفی، نحوی اور فقہی مسائل کے الجھاؤ سے بہت حد تک صرف نظر کرتے ہوئے ترجمہ اور حواشی میں آیات کے اصل مضمون کو سلاست سے بیان کر دینا ضروری سمجھا گیا ہے تا کہ نو جوان طلبہ جو قرآن کے متن کی روح تک ترجمہ اور آسان تشریحات کے حوالے سے پہنچنا چاہتے ہیں انہیں کوئی دقت پیش نہ آئے۔اس نسخے کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اس کے آخر میں حروف تہجی کے اعتبار سے موضوعات کی سوَراور آیات کے حوالے سے برائے تحقیق و حوالہ آسان کر دیا ہے۔اللہ تعالیٰ مرحوم مترجم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے ان کی یہ محنت ہمیشہ یادرہے گی۔

(پروفیسر سمیع اللہ قریشی)

جھنگ

تبصرۂ کتب

نام کتاب: برگِ سبز مصنف: مولانا عبدالکریم کلاچوی

پیش لفظ: مولانا عبدالقیوم حقانی ضخامت: 97 صفحات

قیمت: درج نہیں ہے

استادالعلماء مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے سرگودھا شہر میں پہلی بڑی جامع مسجد اور پہلے دینی مدرسہ سراج العلوم تعمیر کروائے۔ آپ جامع مسجد بلاک نمبر 1 کے پہلے خطیب اور مدرسہ سراج العلوم کے بانی مہتمم تھے۔ ''برگ سبز'' مولانا مفتی محمد شفیعؒ کے بارے میں مختصر معلومات کا سرمایہ ہے۔ سرگودھا شہر اور گردونواح کے سادہ لوح دیہاتی مولانا مرحوم کی اقتداء میں نماز جمعہ ادا کرنے دور دور سے آتے تھے۔ مولانا مفتی محمد شفیعؒ نے اپنی تقاریر اور عمل کے ذریعے شرک و بدعت کا خاتمہ کرنے کی پرخلوص سعی کی۔ ان کا قائم کردہ مدرسہ سراج العلوم آج بھی دین حق کی روشنی پھیلا رہا ہے۔

مولفِ کتاب مولانا عبدالکریم کلاچوی مدرسہ سراج العلوم میں تین سال تک حضرت سرگودھویؒ کی سرپرستی میں زیر تعلیم رہے۔ اپنے فاضل استاد مکرمؒ کے بارے میں ان کی کاوش قابل ستائش ہے۔ حضرت سرگودھویؒ کے انتقال 1966ء کے بعد نئی نسل تقریباً آپ کو بھول چکی تھی۔ مولانا کلاچوی نے علم کی سلطنت کے اس بادشاہ کا تذکرہ لکھ کر شاگردی کا حق ادا کرنے کے ساتھ ساتھ نسل نو کو حضرت سرگودھویؒ کا تعارف کروایا ہے۔ کتاب کی طباعت نہایت عمدہ ہے اور مولانا مفتی محمد شفیعؒ کے ذکر خیر کے ساتھ ساتھ بہت سے سابقین کے واقعات بھی مفاد عامہ کیلئے موجود ہیں۔ میجر (ر) فتح محمد سرگودھا

نام کتاب حقانی وظائف تالیف مولانا عبدالقیوم حقانی مدظلہ

ضخامت 32 صفحے ناشر القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ

خالق آباد نوشہرہ

کتاب کے مولف مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب مدظلہ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ گراں قدر علمی تصانیف اور اسلامی تعلیمات کی ترویج واشاعت کے حوالہ سے ان کا نام علمی اور دینی حلقوں میں امتیازی شہرت رکھتا ہے۔ ''حقانی وظائف'' موصوف کی تازہ تالیف ہے۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کہ یہ کتاب وظائف پر مشتمل ہے۔ وظائف ''وظیفہ'' کی جمع ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ایسا عمل جس پر مداومت اور ہمیشگی کی جائے۔ فرائض وواجبات کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ دن اور رات کے مختلف اوقات میں پڑھنے کی جو آیات اور دعائیں منقول ہیں ان کو بطور وظیفہ اپنی زندگی کا معمول بنانا اللہ تعالیٰ کے حکم سے بہت ساری آفتوں، مصیبتوں اور بیماریوں سے نجات کا اور بہت ساری خیر وبرکت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ اس عنوان پر بے شمار کتابیں، رسالے اور پمفلٹ لکھے گئے ہیں۔ زیر تبصرہ رسالہ ان میں ایک خوبصورت اضافہ اور اس سلسلے میں استفادہ کے لائق ہے جس میں قرآن مجید کی آخری سورتوں خصوصاً چاروں قل (سورۃ الکافرون، سورۃ الاخلاص، سورۃ الفلق اور سورۃ الناس) کو وظیفہ بنانے کے متعلق جن احادیث میں فضائل یا ترغیب وارد ہوئی ہے' ان کو مختلف کتب سے جمع کر دیا گیا ہے اور تقریباً ہر حدیث کا حوالہ بھی دیا گیا ہے، رسالہ کے آخر میں دو دعاؤں کو بھی ملحق کیا گیا ہے۔ (دعائے انس رضی اللہ عنہ اور دعائے ابوالدرداء رضی اللہ عنہ) اور ''عرض مرتب'' میں مولانا موصوف نے تحریر کیا ہے کہ ''یہ پہلی قسط ہے، آئندہ یہ سلسلہ اللہ کی توفیق سے چلتا رہے گا۔'' اس طرح اس پیش کش میں اضافے کے ساتھ ساتھ استفادے کی اہمیت بڑھتی چلی جائے گی۔ (عطاء الرحمٰن)

25روزہ قرآنی تربیت گاہ

پھر سوئے حرم لے چل

چند شرکاء کے تاثرات

''پھر سوئے حرم لے چل'' اقامتی تربیت گاہ ایک منفرد قسم کی تربیت گاہ جو شرکاء میں قرآن فہمی کا شوق، اسلاف سے محبت، اسلامی تاریخ سے آگہی اور اسلام کے عروج و زوال کی عہد بہ عہد نقشہ کشی کر کے آج کے اس دورِ زوال میں پھر نشاۃ ثانیہ کا جذبہ پیدار کرتی ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ اس کورس کے بارے میں صحیح تاثرات اس میں شریک ہو کر ہی دل کی گہرائیوں سے ابھر سکتے ہیں جن کو محسوس تو کیا جا سکتا ہے بیان کرنا مشکل ہے۔

ع لذت ایں بادہ ندانی بخدا! تا نہ چشی

(1)

نام: انوارالحسن والد: ظہورالحسن تعلیم: ایم ایس

ایڈریس: 223 لانگ لائف بنگلوز گلستانِ جوہر بلاک 17 کراچی

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ برخوردار منیب حسن کو یہ کورس کرانے کیلئے جھنگ آیا اور رک گیا۔ پچیس روزہ تربیتی کورس پر آنے سے پہلے میرے ذہن میں جو بات تھی کہ ہم قرآن و حدیث کے بارے میں پڑھیں گے لیکن یہاں دو چار دن کے بعد ہی پتہ چلا کہ: ۔

This is a very concised and compact course designed for understanding Islamic basics for developing personal interest.

اس کورس کے کسی بھی ایک حصے کو پچیس دن میں ماسٹر ہونے کے لئے کافی نہیں اس میں ہمیں ایک introduction دے دیا گیا ہے اب یہ ہمارا فرض اور آئندہ کی محنت ہے کہ ہم اس کو کتنا آگے بڑھاتے ہیں۔ مجھ جیسے سائنس کے طالب علم کو

بھیIslamic Historyمیں دلچسپی پیدا ہوئی میں نے بذات خود اس کورس سے بہت کچھ سیکھا۔قرآن کوAs a Referenceاستعمال کرنے کی عادت پڑی۔ جناب فاروقی صاحب کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے پورا کورس ایک بڑے پیارے انداز میں ایک دوسرے کے ساتھ Links کرکے ہمیں ایکVisionدیا کہ ہم کس طرح اسلام کی خدمت کر سکتے ہیں اور لوگوں کو اس کی تعلیم دے سکتے ہیں۔ میرے خیال میں یہ کورس ہم سب کے لئے ایک بہترین تربیتی کورس ہے اور کوشش کرنی چاہیئے کہ دوسرے شہروں میں بھی اس طرز پر ایک کورسOrganised کرایا جائے اس سے ہمیں اسلاف کے بارے میں بھی پتہ چلے گا۔کہ ان کا زمانہ کیسا تھا اور ہمیں کیا سبق ملا۔اس طرح ہمیں اپنی آئندہ زندگی کا لائحہ عمل تیار کرنے میں مدد ملے گی۔

(2)

نام: محمد الیاس (پروفیسر)　والد: محمد منظور　تعلیم: ایم اے، اکنامکس

ایڈریس　چک نمبر 24 گھگھ تحصیل کبیر والا ضلع خانیوال

میری نظر میں یہ 25 روزہ تربیت گاہ جو کہ کل وقتی تفہیم دین کورس ہے۔ایک فکری اور انقلابی تربیت گاہ ہے اس کی بدولت قرآن مجید کے مختلف مقامات، تاریخ اسلام، کلام اقبال سے شرکاءتربیت کے فکر ونظر اور سوچ و بچار میں واقعی انقلاب رونما ہوتا ہے اور دین کی سربلندی اور احیاء کیلئے بہت کچھ کرنے کا جذبہ بیدار ہوتا ہے۔

تجویز: ۔میرے خیال میں اگر شرکاءتربیت کو عربی گرائمر کا کچھ Home Work دے دیا جائے تو اس سے ان کی عربی کی تفہیم میں کافی تیزی آ سکتی ہے۔کلاس میں جو سبق پڑھا جائے اسے ایک دفعہ دہرانے سے اور مشق حل کرنے سے احساس ذمہ داری اور دلچسپی دونوں میں اضافہ ہوگا۔

نام: مصعب　والد: ڈاکٹر عبدالسمیع　تعلیم: سٹوڈنٹ بی ڈی ایس

ایڈریس:　363-B پیپلز کالونی فیصل آباد

الحمدللہ ہم نے اپنی 25 روزہ تربیت گاہ مکمل کر لی ہے۔جس کے نصاب سے مجھ میں دینی فکرو آ گاہی پیدا ہوئی ہے۔ یہاں پر وقت بہت اچھا گزرا،تمام طلباء سے دوستی رہی۔غرضیکہ یہاں کے دوستانہ ماحول نے ہمیں بہت متاثر کیا ہے۔ایسی تربیت گاہیں دوسرے شہروں میں بھی ہونی چاہئیں تا کہ یہ آ گہی عوام میں زیادہ سے زیادہ پھیلے۔اورسب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ فاروقی صاحب کو اجر عظیم عطا فرمائے جنہوں نے بہت محنت سے ہمیں پڑھایا ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

(4)

Name: Munib Hassan   Father : Anwar -ul- Hussan

Address:A 223 Long Life Banglows Block 17Gulistan-e-Jauhar

Qualification:B.B.A   ,karachi

Comments:

Befor coming here I thought it would be a typical "Madrasah"

Enviorments.After attending a few classes it feltdifferently. Everybody

have made you feel at home by providing

all that could. No doubt this is a place it would not

mind coming back to in the near future.

(5)

نام: محمد اعظم سیال   والد: ولی محمد جاوید   تعلیم: ایم اے بی ایڈ

ایڈریس   مگھیانہ ہاؤس۔گلی نمبر 1 گلشن کالونی جھنگ

پچیس روزہ کورس مکمل کرنے کے بعد میری دینی معلومات میں بے حد اضافہ ہوا اور صاف ظاہر ہے جب دین کے بارے میں معلومات صحیح ترین ہوں گی تو اعمال اور یقین میں بھی یقیناً تبدیلی بلکہ اضافہ ہوگا مجھے یہاں پر ایمان کا تصور، نیکی کا تصور، نیک ہونے کا تصور، دین کا تصور اور جہاد کا تصور جو ملا اس نے میری ترجیحات کو بدل کر رکھ

دیا۔ زندگی کے مشن کو پہنچاننے کا موقع دیا اور اپنا قبلہ یورپ کی بجائے سوئے حرم کو بنانے کا جذبہ ملا اور یقیناً یہ میرے لئے بہت بڑی کامیابی ہے۔ اس پروگرام کو ترتیب دینے میں اور بہتر انداز میں چلانے پر میں محترم مختار فاروقی صاحب کا نہایت مشکور ہوں کہ انہوں نے ایسا موقع فراہم کیا۔ اللہ پاک ان کی عمر میں برکت دے۔ (آمین)

نام: منصور حیدر والد: عبدالستار غوری تعلیم: میٹرک

ایڈریس دین سٹریٹ تحصیل بازار بہاول نگر

الحمدللہ اللہ کا لاکھ شکر ہے جس نے ہمیں اس سنہری موقعہ سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی توفیق دی کہ ہم قرآن کو اچھی طرح سمجھ کر اور اس کے معنی کو جان کر پڑھ سکیں اور اکیڈمی کا ماحول بالکل گھر جیسا ہے۔ ہمیں یہاں کسی قسم کی کوئی پریشانی نہیں ہوئی۔ سوائے پانی کے، ہمارے اساتذہ نہایت شفیق اور رحم دل ہیں۔ خصوصاً فاروقی صاحب جو کہ انتہائی رحم دل اور پیار کرنے والے ہیں اور رانا صاحب جو کہ مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں۔ بالکل اپنے بیٹے کی طرح سمجھ کر۔ انہوں نے میرا بہت خیال رکھا۔ آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ ان تمام اساتذہ کو حفاظت میں رکھے اور ان کو اس کام میں مزید استقامت دے۔ اللہ تعالیٰ آسانیاں دے اور آسانیاں تقسیم کرنے کی ہمت دے۔ (آمین)

---

(7)

نام: عارف محمود شاہ والد: دین محمد تعلیم بی اے: ڈی سی ایس

ایڈریس منیجر ٹی سی ایس میانوالی

میں نے اس کتاب کو غور سے پڑھا ہے اور محسوس کیا ہے کہ بہت بڑے اہل علم لوگ اس میں اپنی بات لکھ چکے ہیں۔ اور اس اکیڈمی میں صحیح معنوں میں لوگوں کا نچوڑ علم حاصل کرنا ہے۔ میرے لئے فخر کی بات ہے کہ کم عقل اور کم علم ہونے کے باوجود

اللہ نے اتنا بڑا مرتبہ دیا کہ میں بھی ان جنت کے باسیوں میں کچھ دن رہا اور سنا ہے کہ کوئی آگ کی بھٹی کے پاس بیٹھے تو خود آگ نہ بھی بنے تو حرارت ضرور لے کر جاتا ہے امید کر سکتا ہوں کہ کچھ نہ کچھ ضرور لے کر جاؤں گا اور اللہ نے توفیق دی تو یہ ارادہ لے کر جا رہا ہوں کہ اس حرارت ایمان کو آگ کا دریا بنا دونگا۔ اور اس سے دنیا میں آگ ِایمان لگانے کی اپنی سی کوشش کروں گا اور دعا بھی کرتا ہوں کہ اللہ مجھ سے کام لے کیونکہ قرآن سے پڑھا ہے کہ اللہ کام لینا چاہے تو چھوٹے پرندوں سے بڑے بڑے کام لے لیتا ہے۔ اللہ مجھ سے بھی اپنے دین کا کام لے لے۔ یہاں سے جو ایک بات میرے لئے فائدہ مند ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ پہلے بہت سے کتابیں پڑھتا تھا مگر علم کو سنبھال کر اور یاد رکھنا بہت مشکل تھا لیکن یہاں پر چیزوں کو ایک خاص انداز سے مختلف اطوار میں بانٹ کر اور مختلف واقعات کو اپنی اپنی جگہ پر رکھ کر Diagrame بنا کر سمجھنے کا جو انداز بتایا گیا ہے اس سے ہم ان شاء اللہ بہت کچھ یاد رکھ لیں گے اکیڈمی کا ماحول اور سہولیات اور علمی انداز اتنا اچھا ہے کہ 35 سال کی عمر تک میں نے نہیں دیکھا۔ یہ بھی روشنی مجھے ملی ہے کہ میں میانوالی میں اس جیسی اکیڈمی بنانے کی کوشش کروں گا اکیڈمی میں اور بہتری ہو سکتی ہے اگر ٹیچر تبدیل ہوں دن میں ایک ہی ٹیچر سے پڑھتے پڑھتے Consoutration کم ہو جاتی ہے۔

---

(8)

نام: محمد انور وڑائچ　　والد: بہادر خان　　تعلیم: ایم اے ایڈ

ایڈریس　گلی نمبر 6 اشرف کالونی نز د رحیم چوک معصوم شاہ روڈ ملتان

25 روزہ تربیتی پروگرام بہترین پروگرام ہے محسوس کرتا ہوں کہ ساری زندگی غفلت میں گزاری ہے۔ ہمیں خود قرآن مجید سمجھ کر پڑھنا چاہیئے اور خود سچا و پکا مسلمان بننے کے ساتھ ساتھ قرآن کے پیغام کو اپنے عزیز و اقارب، دوست احباب اور دیگر مسلمانوں تک پہنچانے کی کوشش کا جذبہ بیدار ہوا ہے ارادہ ہے کہ آئندہ زندگی

اقامت دین کے لئے کام کروں۔ ان شاء اللہ۔ اس تربیتی پروگرام سے کامیاب انسان کی فکر واضح ہوئی ہے اس گئے گزرے دور میں اس قسم کے تربیتی پروگرام کا اہتمام بہت بڑی بات ہے دعا ہے کہ ذات باری تمام متعلقین اکیڈمی کو اجر عظیم سے نوازے۔(آمین)۔

ارادہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اس طرح کے تربیتی پروگراموں میں شرکت کے لئے آمادہ کروں گا۔ تاکہ قرآن کا پیغام عام ہو سکے۔ محترم فاروقی صاحب اور ان کی ٹیم کی کوشش اور تعاون قابل قدر ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو اجر عظیم سے نوازے۔ آمین)

---

(9)

نام: نور خان　　　　والد: محمد حسین　　　　تعلیم: بی اے بی ایڈ

ایڈریس　　الہدیٰ کلاتھ ہاؤس پی اے ایف روڈ بلال ٹاؤن میانوالی

الحمد للہ 25 روزہ تربیتی کورس میں شرکت کا موقع ملا جہاں دین کو بطور نظام حیات فکر کے طور پر سمجھنے کیلئے نوجوان نسل کیلئے بہترین موقع ہے۔ ترتیب دیا گیا نصاب بڑا جامع اور اہمیت کا حامل ہے۔ رہائش، کھانے پینے کا نظام عمدہ ہے تاہم کچھ چیزوں کی نشاندہی مشورے کے طور پر خیر خواہی سے کرنا چاہتا ہوں۔

1۔　عربی کا پیریڈ روزانہ ہو جائے اور تھوڑا تھوڑا کر کے نصاب مکمل کیا جائے تو بہت فائدہ ہوگا۔ استاد محترم پروفیسر خلیل الرحمٰن صاحب کا بہت دلنشین انداز ہے لیکن ہفتے میں تین دن مسلسل کلاس ہوتی ہے۔ تو قواعد وضوابط آپس میں گڈ مڈ ہو جاتے ہیں۔ اور لڑکوں کی دلچسپی وہ نہیں رہتی جو عربی کو سمجھنے کیلئے بہر حال ناگزیر ہے۔ دوسرے مضامین میں سے کلام اقبال کو زیادہ گہرائی سے پڑھنے کی ضرورت ہے اس کے لئے مشکل الفاظ کے معانی لکھوا دیئے جائیں تو بہتر رہے گا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ ان تربیت گاہوں کا سلسلہ جاری رہے اور آنے والوں کو دین کا فہم حاصل کرنے کے

بعد عمل کی توفیق عطا فرمائے آمین ثم آمین ۔ یہاں کی انتظامیہ بڑی ذمہ داری سے اس مبارک جذبے کو بڑھانے میں مصروف ہے کہ ہمارے لئے رہبر و رہنما قرآن مجید ہے۔محترم فاروقی صاحب کی کوشش کو اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔مزید اپنے دین کے لئے خدمت کا جذبہ اور استقامت عطا فرمائے۔انتظامی معاملات میں برادرم آصف اور محترم رانا صاحب کا بہترین اخلاق ہمیشہ یاد رہے گا۔اللہ تعالیٰ سب کا حامی ناصر ہو۔(آمین)۔

---

(10)

نام: ثاقب صبغت والد: رانا صبغت اللہ تعلیم: ڈی کام

ایڈریس شاہین آشیانہ شیخ کالونی کچہ کوٹ روڈ جھنگ صدر

قرآن اکیڈمی میں گزرا ہوا وقت نہایت قیمتی اثاثہ ہے یہاں وہ کچھ ہم نے سنا اور سیکھا جو ہم نے کبھی سکولوں کالجوں میں بھی نہیں پڑھا اور سنا تھا اگرچہ دین کے بارے میں کچھ نہ کچھ علم تو تھا لیکن دین ہے کیا؟ اس کا صحیح معنوں میں یہاں سے سنا ہے زندگی کے بلند مقاصد کے بارے میں آگاہی حاصل ہوئی ہے۔واقعتاً اس اکیڈمی کا قیام دین کا دنیا میں غلبہ ہے اس اکیڈمی کا 25 روزہ تربیتی پروگرام دین کی اشاعت میں بہت اچھی کوشش ہے اس اکیڈمی کا دینی ماحول مجھے بہت پسند آیا ہے اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے مجھے بھی اس 25 روزہ تربیتی پروگرام سے فائدہ اٹھانے کا موقع فراہم کیا اللہ تعالیٰ اس اکیڈمی کو دن دگنی رات چوگنی ترقی دے(آمین)

محترم فاروقی صاحب کو اللہ تعالیٰ ان کے اس نیک مقصد میں کامیابی دے۔(آمین)

ے
انسان کے کسی روپ کا پیچھا نہ کر
خدا پھرتا ہے زمانے میں بھیس بدل بدل کر

اسلام میں آزادی اور ترقی کا مفہوم

ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم

آزادی اور ترقی کے بارے میں اسلامی نکتہ نظر کیا ہے؟ اس موضوع پر بحث کرنے سے پہلے مناسب ہوگا کہ آزادی اور ترقی سے متعلق عام تصورات پر ایک نظر ڈال لی جائے۔

جب ہم آزادی کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو اس کے ساتھ ہی ہمیں اس مقصد کی نشاندہی کرنی پڑتی ہے جس کے لئے آزادی مطلوب ہو۔ کیونکہ آزادی ہمیشہ کسی نہ کسی آورش یا نظریے کے حصول کا ذریعہ ہوتی ہے۔ چنانچہ آزادی کی کچھ حدود متعین کی جاتی ہیں۔ اس پر ایسی پابندیاں لگائی جاتی ہیں جو اس مقصد یا نظریے کے حصول میں معاون ہوں۔

آزادی مطلق -- یعنی ہر قسم کی حدود و قیود سے مستثنیٰ آزادی -- کا نہ ماضی میں کہیں وجود تھا نہ ہی مستقبل میں اس کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ انسان کی فطرت کی تخلیق اسی انداز پر ہوئی ہے کہ آزادی مطلق اس کے حق میں مفید ثابت نہیں ہوسکتی۔ گویا آزادی کی ایک سے زیادہ صورتیں ہیں اور وہ جن نظریات یا مقاصد کے لئے ہوں، اسی تناسب سے ان پر پابندیاں ہوتی ہیں۔

ہر مذہب، سماجی یا سیاسی برادری ایک علیحدہ نظریاتی گروپ کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس کے پیش نظر کوئی نہ کوئی ایسا نظریہ ہوتا ہے جس کی بنیاد کسی آورش یا مقصد حیات پر ہو۔ مقصد حیات ایک قوت (CRACY) ایک ازم اور ایک مذہب ہوتا ہے۔ اس گروپ کی پوری زندگی پر اس کی چھاپ ہوتی ہے۔ یہ بنیادی حقیقت کہ ایک سماجی برادری جداگانہ حیثیت رکھتی ہے، یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ اس کا اپنا مقصد حیات اور جداگانہ آورش ہے۔ آزادی کے متعلق اس سماجی گروہ کا اپنا تصور ہوتا ہے جس کے مطابق آزادی کو بروئے کار لانے کے لئے اس پر کچھ

پابندیاں لگادی جاتی ہیں۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب ایک مغربی کمیونسٹ آزادی کی بات کرتا ہے تو اس سے وہی آزادی مراد ہوتی ہے جو اس کے نظریہ حیات......کمیونزم...... کے مطابق ہو۔اس کے برعکس جمہوریت پسندوں اور سرمایہ داروں کے نزدیک آزادی کا کچھ اور مفہوم ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ایک فرانسیسی کی آزادی، ایک امریکی، ایک اطالوی اور ایک انگریز سے مختلف ہوتی ہے۔اور روسی کمیونسٹ جس آزادی سے ہمکنار ہوتا ہے، وہ باقی دوسروں کی آزادی سے بالکل الگ چیز ہوتی ہے۔سرمایہ دار ممالک روس پر الزام لگاتے ہیں کہ اس نے اپنے شہریوں کی آزادیاں سلب کر رکھی ہیں، جب کہ روس ان سرمایہ دار قوموں پر، جو ''دنیا کی آزادی پسند اقوام'' کہلاتی ہیں، الزام لگاتا ہے کہ انہوں نے مزدوروں کی آزادی چھین لی ہے اور ان کا استحصال کر رہی ہیں۔کمیونسٹ اور سرمایہ دار اپنی اپنی جگہ دونوں درست ہیں۔کیونکہ ہر ایک کے سامنے غلامی اور آزادی کا جداگانہ تصور ہے۔اگر دنیا کی نام نہاد آزادی پسند قومیں اپنے شہریوں کو کمیونسٹ بننے کی اجازت نہیں دیتیں تو اس میں حیرانی کی کوئی بات نہیں، یہ تو فطرت کے عین مطابق ہے۔کیونکہ ہر ایک نظریہ اور نصب العین اپنے پیروکاروں پر ایسی پابندیاں لگاتا ہے جو اس نظریہ کے مزاج سے ہم آہنگ ہوں۔اس کیفیت کو آزادی کا نام دے لیں یا غلامی کا، یہ ہر گروہ کے نظریہ پر منحصر ہوتا ہے۔جب ایک قوم اپنی آزادی کی تعریف میں رطب اللسان ہوتی ہے تو اسے آزادی پر لگائی گئی قیود کی بھی تعریف کرنی پڑتی ہے۔

اگر لفظ آزادی کے یہی معنے ہیں جن کا عنوان بالا میں ذکر کیا گیا ہے اور اس سے مراد وہی آزادی ہے جس کی مغربی اقوام قائل ہیں، تو اسلام کا ایسی آزادی سے کوئی واسطہ نہیں کیونکہ اسلامی نظریہ حیات مغرب کی ہر قوم کے فلسفہ زندگی سے یکسر مختلف ہے۔اسلام بذات خود ایک نظریہ ہے، اس کا اپنا ایک مقصد حیات ہے جس کی بنیاد داعی اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کے مطابق خدا کی محبت اور اس کی اطاعت پر ہے۔اسلامی نکتہ نظر سے ہر وہ سرگرمی جو ایک مسلمان کو خدا کی محبت اور عبادت میں مدد دے، آزادی ہے۔اور ہر وہ فعل جس کا نتیجہ اس میں رکاوٹ ڈالنا ہو، وہ پابندی اور غلامی ہے جو مسلمان کو قبول نہیں کرنی چاہیے اور اس کے خاتمہ کے

لئے کوشاں ہونا چاہیے۔

اس کے علاوہ ہم یہ حقیقت فراموش کر جاتے ہیں کہ کسی آورش یا نظریے کے مطابق آزادی پر لگائی گئی پابندیاں داخلی بھی ہوتی ہیں اور خارجی بھی۔ ہم بڑی شدومد سے عالم گیر اخلاقیات کی طرف بھاگتے ہیں اور ایک اچھی اور خوش نصیب زندگی گزارنے کی خواہش رکھتے ہیں چنانچہ جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ایک آدمی کو برائی پر مجبور کیا جارہا ہے، تو ہم اس کی ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں اور پرزور الفاظ میں مجبور کرنے والے کی مذمت کرتے ہیں۔لیکن اگر وہی آدمی اپنی مرضی اور منشاء سے کسی برائی کا مرتکب ہوا ہو تو ہم اسے حق بجانب سمجھتے ہیں اور برائی کے خلاف کوئی آواز نہیں اٹھاتے۔ حالانکہ اپنی مرضی سے کیا گیا برا کام، مجبوی کی حالت میں کئے گئے فعل بد سے زیادہ نقصان دہ ہوتا ہے۔ یہ بات بڑی عجیب سی معلوم ہوتی ہے۔لیکن ایسے معاملات میں ہماری رائے میں جو اختلاف پایا جاتا ہے اس کی بنیاد اس حقیقت پر ہوتی ہے کہ ہم یقینی طور پر برائی کے مفہوم سے آشنا نہیں ہوتے۔

ہم ایک فرد کے ہاتھوں دوسرے کے قتل کو گوارا کر لیتے لیکن یہ سمجھتے ہوئے کہ قتل ایک غیر اخلاقی اور برا فعل ہے۔ہم قاتل کو خود اپنا خاتمہ کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔اگر ہمیں یقینی طور پر یہ معلوم ہو کہ برائی کیا ہے تو ہم ان دو افراد میں قطعی امتیاز نہ کریں، جن میں سے ایک دوسرے کے ساتھ برائی کرتا ہے اور دوسرا خود اپنے ساتھ۔اگر ہم سائنٹیفک، واضح اور یقینی طور پر یہ جان لیں کہ ہمارے لئے برائی کیا ہے اور اچھائی کیا تو ہماری بہت سی آزادیاں غائب ہو جائیں۔

آج ہم حفظان صحت کے اصولوں کا قطعی اور یقینی علم رکھتے ہیں۔اس لئے بزور شمشیر دوسروں سے ان کی پیروی کا مطالبہ کرتے ہیں۔اگر کوئی آدمی عام شاہراہ پر کیچڑ اچھالتا یا گندگی بکھیرتا ہوا پکڑا جائے تو اسے جرمانہ اور قید کی سزا دیتے ہیں۔اگر ہمیں جسمانی صحت کے اصولوں کی طرح اخلاقی صحت کی اہمیت کا احساس ہو جائے تو ہم انہیں بھی بالجبر لوگوں پر نافذ کریں گے۔

اب بتایئے آزادی سے ہماری کیا مراد ہے؟ آزادی کے متعلق ہمارے بہت سے تصورات محض جہالت کی علامت ہیں۔ہم ایسی آزادی کے خواہاں ہیں کہ جو جی میں آئے کرتے پھریں۔کیونکہ ہم اچھائی اور برائی کا صحیح شعور نہیں رکھتے۔میں یہ بات پورے وثوق سے کہتا ہوں

کہ موجودہ دور میں انسان کو جو چیز تیزی سے تباہی کی طرف لے جارہی ہے، وہ اس کی آزادی ہے، غلامی نہیں۔ انسان خود اپنی اغراض نفس اور خواہشات کا بندہ بن گیا ہے۔ اگر وہ واقعی آزادی کا طالب ہے تو اسے خود کو اپنی غلامی سے آزاد کرانا ہوگا۔ اسے اپنے نفس سے چھٹکارا پانا ہوگا۔ اسلام فرد کی داخلی آزادی کیلئے راہیں بتاتا ہے اور اسے خود اپنی غلامی سے نجات دلاتا ہے۔

ترقی کا بھی یہی کچھ حال ہے۔ جب ہم ترقی کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو ہمیں ترقی کی وہ سمت متعین کرنی ہوتی ہے جو ہمارے پیش نظر ہو۔ مثلاً ایک ماہر نقب زن جو اپنے پیشے میں کام آنے والے پیچیدہ سائنسی آلات استعمال کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، اپنے بیٹے کو اس پیشے کی تربیت دینا شروع کردے تو وہ اپنے دل میں مطمئن ہوسکتا ہے کہ اس کا نورنظر ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ اس کا مطلب ہوا کہ ترقی کی بھی کئی صورتیں ہیں۔ ان میں سے بعض یک طرفہ، جانبدارانہ اور فرقہ وارانہ ہیں۔ اور بعض ایسی جو دوسری ترقیوں کو قربان کرنے سے حاصل ہوتی ہیں، یہ صورتیں زیادہ جامع اور عام فہم ہوتی ہیں۔

جانبدارانہ اور فرقہ وارانہ ترقی خطرناک ہوتی ہے۔ کیونکہ اس میں انسانی صلاحیتوں کا بیشتر حصہ نظرانداز کردیا جاتا ہے۔ یہ ترقی اپنے لئے آپ گڑھا کھودتی ہے۔ انسان کی تخلیق اس انداز پر ہوئی ہے کہ یا تو وہ مجموعی حیثیت سے ترقی کرے ورنہ کوئی بھی ترقی نہ کرسکے۔ مغربی دنیا نے سائنس اور ٹیکنالوجی میں جو کچھ ارتقا پایا ہے، وہ سراسر جانبدارانہ فرقہ وارانہ اور خطرناک قسم کا ہے۔ مغرب کے اہل دانش کو خود اس ترقی (معکوس) کے خطرات کا احساس ہوگیا ہے اور اب وہ ببانگ دہل ایسی ترقی سے باز رہنے کا مطالبہ کررہے ہیں۔ اس سلسلے میں بطور شہادت چند مشہور اہل قلم کی تصانیف سے اقتباسات پیش خدمت ہیں۔ معروف ماہر نفسیات میک ڈوگال ایک جگہ رقم طراز ہے۔

> ''انسانی فطرت سے ہماری لاپروائی اور بےخبری کا نتیجہ یہ نکلا کہ معاشرتی علوم کی ترقی بند ہوگئی اور اب بھی بند ہے حالانکہ معاشرتی علوم کا فروغ وارتقا جدید دور کی اشد ضرورت ہے۔ ان کی ترقی رک جانے سے ہماری تہذیب کے انحطاط بلکہ مکمل زوال کا خدشہ پیدا ہوگیا ہے۔''

ایک اور مشہور ماہر نفسیات سکنر اپنی کتاب "SCIENCE AND HUMAN BEHAVIOUR" لکھتا ہے۔

''بلاشبہ سائنس نے بے پناہ ترقی کی ہے آسان مسائل کو پہلے حل کر کے اس نے ہماری توجہ بے جان نیچر پر اس قدر مرکوز کرا دی ہے کہ ہم اس کے بعد آنے والے معاشرتی مسائل کے لئے کوئی تیاری نہیں کر سکے۔ مادی سائنس کے ارتقاء کا کوئی فائدہ نہیں جب تک اس میں معاشرتی سائنس کا معتد بہ حصہ شامل نہ ہو۔ کیونکہ صرف اسی صورت میں اس ترقی سے مثبت نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔''

اسلام ایک جامع، ہر پہلو سے مکمل اور ہمہ جہت ترقی کے اصول پیش کرتا ہے اور انسان کو فرقہ وارانہ ترقی سے خبردار کرتے ہوئے عاد اور ثمود کی اس بے پناہ ترقی کی مثالیں دیتا ہے جو آخر کار ان کی ذلت اور تباہی کا سبب بنی۔ اسلام ہمیں انتہائی ضروری معاشرتی علوم کی بنیادی حقیقتیں فراہم کرتا ہے جن کی عدم موجودگی میں مغربی تہذیب تباہی کے کنارے پر پہنچ گئی ہے۔

یہ درست ہے کہ عالم اسلام کو سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں ترقی کے لئے مغربی دنیا سے استفادہ کرنا ہوگا، لیکن اس کے مقابلے میں مغرب اسلام سے جو کچھ حاصل کر سکتا ہے، وہ سائنس اور ٹیکنالوجی سے کہیں زیادہ بیش قیمت ہے۔ اسلام کے پاس وہ بیش بہا گوہر ہے جس کے بغیر سائنس اور ٹیکنالوجی نہ صرف بیکار محض ہیں بلکہ یقینی طور پر تباہ کن اور ہلاکت خیز بھی۔

ترقی کا لفظ جب عالم انسانیت کے بارے میں بولا جاتا ہے تو اس کا سائنس سے گہرا رابطہ ہوتا ہے۔ یہاں ترقی سے مراد انسانی زندگی کے نفسیاتی اور معاشرتی مرحلے میں انقلاب کا واقع ہونا ہے۔

ہم اس حقیقت سے باخبر ہیں کہ حیاتیاتی ارتقا کی بھی ایک آخری منزل تھی جہاں انسانی زندگی نہ صرف اپنی مکمل ترین شکل میں ظاہر ہوئی بلکہ پوری دنیا پر غالب آ گئی۔ کیا اس صورت میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ معاشرتی اور نفسیاتی ارتقا یا آسان لفظوں میں نظریاتی ارتقا کا کوئی انتہائے مقصود نہیں؟ ایسا نہیں ہو سکتا۔ ماہرین حیاتیات جن میں جولین ہکسلے کا نام سرفہرست ہے اور فلسفہ تاریخ کے علماء جن میں سپنگلر، ٹبنی، سوروکن اور دوسرے بہت سے لوگ شامل ہیں، نے یہ جاننے کی

کوشش کی ہے کہ نظریاتی ارتقا کی منزل مقصود کیا ہے۔ وہ ابھی تک کسی نتیجے پر نہیں پہنچے۔ تاہم ایک بات واضح ہے وہ یہ کہ جس طرح حیاتیاتی ارتقا کا نکتہ معراج نہ صرف حیاتیاتی جسم کا ظہور تھا بلکہ پوری دنیا پر اس کا غلبہ بھی، اسی طرح نظریاتی ارتقا کا مقصد صرف ایک مکمل ترین نظریاتی برادری کی تشکیل ہی نہیں بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ پوری دنیا پر حاوی ہو۔

بعض لوگوں نے حیاتیاتی قیاسات کو پسند نہیں کیا۔ تاہم ہمیں یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہئے کہ زندگی ایک نا قابل تقسیم وحدت ہے۔ اس کی فطرت، بنیادی خوبیاں اور خصوصیات حیاتیاتی اور نظریاتی ارتقا کے مراحل میں یکساں رہتی ہیں۔ اس سے ظاہر ہوا کہ حیاتیاتی قیاسات زندگی کے عمل کو عقلی بنیادوں پر سمجھنے کے لئے قابل قدر رہنمائی کرتے ہیں۔

گویا کوئی مذہبی، معاشرتی یا سیاسی برادری صرف اسی سمت میں ترقی کر سکتی ہے جو اس کے نظریات سے ہم آہنگ ہو، ورنہ وہ ارتقائی دوڑ میں لازماً پیچھے رہ جائے گی۔ یہ ارتقائی عمل صرف اس قوم کو آگے بڑھنے دے گا جو صلاحیتوں کے اعتبار سے سب سے زیادہ ترقی پذیر ہو گی۔ ملت اسلامیہ قرآن مجید کی نصف درجن سے زائد ایسی محکم آیات پر یقین رکھتی ہے۔ جن میں کہا گیا ہے کہ وہی دنیا کی سب سے آخری قوم ہے جو انسانیت کے نکتہ انتہا تک پہنچے گی۔

بظاہر آج دنیا بھر میں مسلمانوں کی زبوں حالی کے پیش نظر یہ دعویٰ مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے تاہم مسلمانوں کے لئے یہ صورت حال مایوس کن نہیں۔ کیونکہ وہ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ ان کا نظریہ حیات یعنی توحید جو ان تمام نظریات میں مکمل ترین ہے جو انسانی تخیل میں آ سکتے ہیں، ان کی ہمہ جہت اور مسلسل ترقی کی ضمانت ہے۔ موجودہ دور میں مسلمانوں کی حالت ایسی ہے جیسی کہ کروڑوں سال پہلے انسان کی تھی جب کہ وہ محض جنگلی جانور تھا اور جنگل کے دوسرے طاقتور جانوروں مثلاً ہاتھی، شیر ببر، ریچھ وغیرہ کے مقابلے میں کمزور تر۔ یہ جانور پنجے، دانت، اور سونڈ سے مسلح تھے اور بچارے انسان کو جان بچانے کے لئے غاروں میں یا درختوں پر پناہ لینی پڑتی تھی۔

اس وقت کون سوچ سکتا تھا کہ انسان نہ صرف زندہ رہے گا، بلکہ ترقی کرے گا اور پوری زمین پر چھا جائیگا۔ جب انسان نے ہتھیار ایجاد کر لئے تو اسے جانوروں پر بالا دستی حاصل ہو گئی۔ امید ہے کہ اسی طرح مسلمان قوم بھی نظریہ توحید سے ماخوذ انسانی فطرت کے متعلق سائنسی

نظریات کی شکل میں ایسے ہتھیار ایجاد کرلے گی جو تمام نسل انسانی کے لئے مفید ثابت ہوں گے اور مسلمانوں کو دورجدید کی جزوی طور پر ترقی پذیر قوموں پر بالادستی حاصل ہوجائے گی۔